وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ اور جنت کے پھلوں اور میووں میں سے جہاں سے چاہو فراخی سے کھاؤ۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ قرآن سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو جنت کے ایک مخصوص و متعین درخت سے روکا گیا مگر قرآن یا حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ کونسا درخت تھا اور نہ ہی اس تعیین کی کوئی ضرورت ہے۔ واعلم انه لیس فی الظاهر ما یدل علی التعیین فلا حاجة ایضًا الی بیانه (کبیر ص۵۶ ج ۱) فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کی نافرمانی کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں یعنی اگر تم نے شجر ممنوعہ کھا لیا تو تم نافرمانوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ ۸۷ شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام سے بغض و حسد تو پہلے ہی سے پیدا ہو چکا تھا اس لیے وہ ہمیشہ تاک میں رہا کہ کسی نہ کسی طرح ان سے انتقام لے چنانچہ اسے موقع ملا تو اس نے حضرت آدم و حوا کو پھسلانا اور بہکانا شروع کیا اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلا دیا کہ یہ درخت جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے یہ شجرۃ الخلد ہے کہ اگر تم اسے کھا لو گے تو تمہیں کبھی بھوک اور پیاس نہیں لگے گی۔ اور تم کبھی نہیں مروگے۔ چونکہ خدا کی صریح نہی کی مخالفت حضرت آدم علیہ السلام سے ممکن نہیں تھی اس لیے شیطان ملعون نے اس کی ایک تاویل بھی سکھا دی اور کہا کہ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے ذریعے خدا نے تمہیں صرف اس مشخص اور مشار الیہ درخت سے منع فرمایا ہے اس کی جنس سے منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا تم اس مشار الیہ درخت کے قریب مت جاؤ۔ اور اس کی جنس کے باقی درختوں کے پھل بخوشی استعمال کرو۔ اکلا من غیر التی اشیر الیه فلم یتأولا النهی واقعًا علی جمیع جنسها فان ابلیس غرّہ بالظاهر (قرطبی ص۳۰۵ ج ۱)

۸۸ اس طرح جس انعام و اکرام کی دنیا میں وہ تھے اس سے شیطان نے انہیں نکال کے ہی دم لیا۔ ای من النعیم والکرامة او من الجنة۔ (روح ص۲۳۶ ج ۱) یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کا عجز و قصور علم بھی عیاں ہو گیا کہ وہ شیطان ملعون کی چالوں کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور اپنے آپ کو اس لغزش سے نہ بچا سکے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی معبود نہیں بن سکتے۔ معبود تو وہ ہو سکتا ہے جو مالک و مختار بھی ہو اور ہر چیز کا عالم بھی۔

خدا کے تمام پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ مگر یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کی نافرمانی کس طرح کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معصیت اور لغزش میں فرق ہے معصیت تو یہ ہے کہ نافرمانی کی نیت سے بالارادہ خدا کے حکم کو ٹھکرایا جائے یہ چیز عصمت کے منافی ہے اور اس کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ناممکن اور محال ہے۔ اور لغزش وہ فعل ہے جو بلا قصد و ارادہ مخالفت اللہ کے حکم کے بظاہر خلاف سرزد ہو جائے ایسی لغزش کا صدور عصمت کے منافی نہیں اور اس کا وقوع انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہے۔ وهٰذا دلیل علی انه یجوز اطلاق اسم الزلة علی الانبیاء علیهم السلام کما قال مشائخ بخاری فانه اسم لفعل یقع علی خلاف الامر من غیر قصد الی الخلاف کزلة الماشی فی الطین۔ (مدارک ص۳۳ ج ۱) لیکن انبیاء علیہم السلام کو ان کی لغزشوں پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا اگر لغزش کا تعلق احکام سے ہو تو بذریعہ وحی انہیں اطلاع دے کر اس کی تلافی کرا دی جاتی ہے اور اگر اس کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے تو اس کی تلافی استغفار سے کرا دی جاتی ہے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے بھی اسی قسم کی لغزش سرزد ہوئی۔ اس کے صدور میں ان کے قصد و ارادہ خلاف کو قطعًا کوئی دخل نہیں تھا چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں خود اللہ نے اس کی تصدیق فرما دی ہے۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا یعنی آدم اس معاملہ میں بھول گئے تھے، عزم و ارادہ سے انہوں

حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ
وقت تک ۸۹ پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں ۹۰ پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا
بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان ۹۱ ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے
جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ
تم سب پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت ۹۲ تو جو چلا
هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۹۳
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا میری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۹۴ اے بنی اسرائیل ۹۵
اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا
یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کیے اور تم پورا کرو
بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَ
میرا قرار تو میں پورا کروں تمہارا قرار ۹۶ اور مجھ ہی سے ڈرو ۹۷ اور
اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا
مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ۹۸ سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور مت ہو
اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّاِيَّايَ
سب میں اول منکر اس کے ۹۹ اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا ۱۰۰ اور مجھ ہی سے
فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا
بچتے رہو ۱۰۱ اور مت ملاؤ صحیح میں غلط کو ۱۰۲ اور مت چھپاؤ

ع ۴

موضح قرآن ف۱ یعنی آدم کے دل میں اللہ نے کئی لفظ ڈال دیئے جو اس طرح پکارا تو بخشا گیا اور یہ لفظ سورہ اعراف میں ہیں۔ ف۲ بنی اسرائیل کہتے ہیں اولاد حضرت یعقوبؑ کو انہی میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور توریت اتری اور فرعون سے خلاص کر کر ملک شام میں بسایا ان سے اللہ تعالیٰ نے قرار کیا تھا کہ حکم توریت پر قائم رہو گے اور جو نبی میں بھیجوں گا اس کے مددگار رہو گے تو ملک شام تم کو رہیگا پھر وہ گمراہ ہوئے یعنی بدنیت ہوئے رشوت لیتے اور مسئلہ غلط بتاتے اور خوشامد کیواسطے حق بات چھپاتے ان سے اپنی ریاست چاہتے پیغمبر کی اطاعت نہ کرتے اور پیغمبر کی جو صفت توریت میں لکھی تھی بدل ڈالی اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلاتا ہے اپنے احسان اور ان کی نافرمانی۔ ف۳ توریت میں نشان بتایا تھا کہ جو کوئی نبی اٹھے اگر توریت کو سچا کہے تو جانو وہ سچا ہے نہیں تو جھوٹا ہے اور آیتوں پر تھوڑا مول یہ کہ دنیا کی محبت سے دین مت چھوڑو۔ **فتح الرحمٰن** ف۱ وآں کلمات این اند رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۱۲۔ ف۲ مترجم گوید خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل را نعمتہا، خود یاد داد و معجزہ ہا کہ در ہیں قوم ظاہر شدہ بود ذکر فرمود آں گاہ شبہات او معجزات ایشاں را رد کرد بدلائل دریں قصہ ممتد است تا قولہ تعالیٰ و اذ ابتلیٰ ابراہیم ربہ ۱۲

ے ایسا نہیں کیا ۸۹ یعنی اب تم یہاں نہیں رہ سکتے۔ شجرہ ممنوعہ نے تمہارے اندر ایسے اعراض پیدا کر دیئے ہیں کہ جنت ان کے اظہار کی جگہ نہیں ان کے لئے مناسب مقام زمین ہے اب وہاں چلے جاؤ۔ ان اعراض نفسانیہ میں سے ایک بغض و حسد ہے جو عداوت اور دشمنی کا بیج ہے نیز جس حکمت کے پیش نظر تخلیق آدم معرض وجود میں آئی تھی اس کا تقاضا بھی یہ تھا کہ اب وہ زمین میں جا کر خلافت کے فرائض سر انجام دیں ۹۰ اب تمہاری زندگی کا نیا دَور شروع ہوتا ہے۔ اب تم زمین پر جا رہو۔ اور وہیں تمہاری اولاد ہوگی، وہیں زندگی بسر کرے گی اور ہمارے انعامات سے متمتع ہوگی۔ ۹۱ یہ اگرچہ ایک لغزش تھی لیکن حضرت آدم علیہ السلام جو خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے اس لئے انہوں نے اسے بہت محسوس کیا اور اللہ کے حضور میں روئے تو اللہ نے اس دوران میں ان کے دل میں کچھ دعائیہ کلمات الہام فرما دیئے۔ یہ کلمات وہی ہیں جو قرآن مجید میں دوسری جگہ موجود ہیں جو پچھلے صفحے میں تحریر ہوئے فَتَابَ عَلَيْهِ تو اللہ نے انہیں اپنی رحمت میں لے لیا۔ اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ ۹۲ وہ تائب کی صرف توبہ ہی قبول نہیں فرماتا بلکہ مزید مہربانی اور انعام سے نوازتا ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا یہ حکم حضرت آدم و حوا اور ان کی تبعیت میں ان کی اولاد کو مل رہا ہے یہ حکم دوبارہ اس لئے دیا ہے کہ اب اس پر خلافت کی حکمت مرتب کرے اور خدا کی طرف سے آنے والے دستور خلافت کی پیروی کی ترغیب دے اور نہ ماننے والوں کو عذاب کی دھمکی سنائے۔ الامر بالهبوط اتى به ل للتوبة لان الامر به كان تحقيقًا للوعد المتقدم فى قوله إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً (کبیر ص۴۷۶ ج ۱) ۹۳ هُدًى سے مراد انبیاء و رسل ہیں جو پیغام توحید لے کر ان کے پاس آئیں گے۔ ۹۴ یعنی آخرت میں انہیں کوئی ڈر خطرہ ہوگا اور نہ گذشتہ پر انہیں غم اور افسوس ہوگا۔ یہ ہدایت کے متبعین کے لئے بشارت ہے۔ آگے منکرین کے حشر کا بیان ہے۔ ۹۵ کفر سے مراد دل سے انکار ہے اور تکذیب سے زبانی انکار مراد ہے فیراد بالکفر بالآیات انکارھا بالقلب بالتکذیب انکارھا باللسان ـــ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ خلود سے مراد یہاں دوام ہے یعنی وہ عذاب جہنم میں ابد الآباد مبتلا رہیں گے۔ والخلود هھنا الدوام على ما انعقد عليه الاجماع (روح ص۲۳۸ ج ۱)

بنی اسرائیل کو دعوت

شروع میں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ کے خطاب عام کے ذریعے تمام انسانوں کو توحید کی دعوت عام دی گئی عقلی دلیل سے دعویٰ توحید کو مدلل اور واضح کیا گیا۔ اور دعویٰ توحید سے متعلق دو شبہات کا نہایت تسلی بخش طریقہ سے ازالہ کرکے ثابت کیا گیا کہ نہ فرشتے پکارنے کے لائق ہیں نہ انبیاء علیہم السلام اور نہ جنات۔ اب اگلی آیت سے روئے سخن یہودیوں کی طرف پھیر دیا گیا ہے ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلی سورت جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ سورہ بقرہ تھی۔ مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں یہودیوں کی کافی آبادی تھی۔ ان میں بڑے بڑے نواب، علماء، پیر اور درویش موجود تھے۔ عوام کو ان سے محبت تھی۔ بلکہ مشرکین مکہ بھی ان کا احترام کرتے تھے اس لئے ان مولویوں اور پیروں کی اصلاح سے پوری قوم کی اصلاح ہو سکتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اس میں جا بجا یہودیوں کو خطاب فرمایا۔ اور انکی اصلاح کیلئے حکیمانہ پند و نصیحت کے مختلف طریقے اختیار فرمائے کہیں نرمی سے سمجھایا ہے کہیں سختی سے۔ کہیں وعدۂ انعام کے ساتھ اور کہیں وعید انتقام کے ساتھ، کہیں تو ان پر اور ان کے آباء و اجداد پر کئے گئے احسانات جتلا کر انہیں ایمان لانے کی ترغیب دی ہے اور کہیں ان کے غلط کار باپ دادوں کا برا انجام یاد دلا کر انہیں ڈرایا ہے تاکہ وہ ضد و عناد اور انکار حق سے باز آجائیں کہیں ان کی شرارتوں اور خباثتوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے بے پایاں عفو و درگزر کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ان کا جذبۂ سپاس گزاری بیدار ہو اور ان میں غیرت و حیا کا کچھ احساس پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ناصح مہربان اور حکیم ہے اس لئے اس نے یہودیوں کے عوام و خواص کی اصلاح پند و نصیحت کا ہر ممکن انداز اختیار فرمایا ہے تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح راہ راست پر آجائیں۔ اور دعوت حق قبول کرلیں۔ اور اگر وہ ضد و انکار پر ڈٹے رہے تو حجت خداوندی ان پر قائم ہوجائے۔ پانچویں رکوع کی ابتدا یعنی يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ سے لیکر پندرھویں رکوع میں وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ تک بنی اسرائیل کی اصلاح کے عمومی پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے اور پھر وہاں سے مسئلہ رسالت و نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ اصلاح کے عمومی پہلو کے سلسلے میں تذکیر و ارشاد کیلئے پانچ طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔

(۱) یہودیوں کے باپ دادوں پر کئے گئے انعامات کا ذکر (۲) ان کے باپ دادوں کی خباثتوں کا ذکر (۳) نزول قرآن کے وقت موجودہ بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کا ذکر (۴) ان کی بداعمالیاں تو ایک طرف رہیں ان کے باپ دادا توحید بیان کرنے والے پیغمبروں کو قتل کرتے رہے اور ان کو جھٹلاتے رہے اس کا ذکر (۵) ان کے آباء و اجداد کا ذکر چھوڑ کر موجودہ بنی اسرائیل کا یہ حال ہے کہ آخری پیغمبر جب آگیا تو یہ اسکو جھٹلانے لگے۔ حالانکہ اس کے آنے سے پہلے اس کی آمد کی خوشخبری دیا کرتے تھے، ان کی مخالفت کا ذکر۔

اصلاحی پروگرام

اس سلسلے کے آغاز میں بنی اسرائیل کے سامنے آٹھ اوامر اور چار نواہی پر مشتمل ایک اصلاحی پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ ۹۶ اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "اللہ کا بندہ"۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ اور بنی اسرائیل سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔ اور یہاں بنی اسرائیل سے ان یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے جو مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے ـــ

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ پند و نصیحت سے پہلے انعامات کا ذکر نہایت ہی مؤثر حکمت عملی ہے اور یہاں نعمت اسم جنس ہے اور اس سے مراد وہ مادی اور روحانی انعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کئے مثلاً دولت، حکومت، نبوت اور دوسرے وقتی انعامات جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ مائدہ ع ۴) ان انعامات کی کسی قدر تفصیل آگے آرہی ہے۔ ۹۷ یہ دوسرا امر ہے یہاں لفظ عہد دونوں جگہ مصدر ہے اور دونوں جگہ اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور فاعل محذوف ہے۔ ای وَاَوْفُوْا بِعَهْدِكُمْ اِيَّايَ اُوْفِ بِعَهْدِيْ اِيَّاكُمْ یعنی جو عہد تم نے میرے ساتھ کیا تھا تم اسے پورا کرو تو جو عہد میں نے تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے میں اسے پورا کروں گا۔ وھو المفهوم من کلام قتادة ومجاهد ان كليهما مضاف الى المفعول ـــ ان فسر الايفاء باتمام العهد تكون الاضافة الى المفعول فى الموضعين (روح ص۲۴۲ ج ۱) بنی اسرائیل نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والے آخری نبی پر ایمان لائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ معاف کرنے اور انہیں جنت میں داخل کرنے کا عہد کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ ان الله تعالى كان عهد الى بنى اسرائيل فى التورٰىة انى باعث من بنى اسماعيل نبيا اميا فمن تبعه وصدق بالنور الذى يأتى به اى بالقرآن غفرت ذنبه وادخلته الجنة الخ (کبیر ص۴۸۳ ج ۱، معالم ص۴۳ ج ۱) یا مراد وہ عہد ہے جو آیت ذیل میں مذکور ہے۔ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَـنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (سورہ مائدہ رکوع ۳) وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ یہ تیسرا امر ہے۔ جب تمہارا منعم حقیقی اور محسن حقیقی میں ہی ہوں تو صرف مجھ ہی سے ڈرو، اگر تم مجھ سے ڈر کر میرے احکام کی تعمیل کرنے لگ جاؤ گے تو کوئی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ ۹۸ یعنی جو کتاب میں نے اتاری ہے اور جو پیغمبر میں نے بھیجا ہے جن کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود ہے ان پر ایمان لاؤ۔ یہ چوتھا امر ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ جو اللہ تعالیٰ کا دین تورات کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہے۔ قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ تصدیق کرنے سے مراد یہ ہے کہ توحید، رسالت اور دیگر عقائد جو تورات میں پیش کئے گئے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کے ذریعے وہی دعوت اور وہی عقائد پیش کئے ہیں۔ ای موافقا لما معکم من التورٰىة فى التوحيد والنبوة والاخبار ونعت النبى صلى الله عليه وسلم (معالم ص۴۳ ج ۱) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ صرف اللہ ہی کو مالک و مختار اور متصرف و کارساز سمجھیں اور حاجات و مشکلات میں صرف اسی سے نصرت و مدد کیلئے پکاریں چنانچہ تورات کا یہ حوالہ خود قرآن نے پیش کیا۔ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ

الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
سچ کو جان بوجھ کر اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو
الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾ اَتَاْمُرُوْنَ
زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ کیا حکم کرتے ہو
النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ
لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو ف۲ اور تم تو
تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا
پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو اور مدد چاہو
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى
صبر سے اور نماز سے ف۳ اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی
الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ
عاجزوں پر جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں ف۴
وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا
اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۱ اے بنی اسرائیل یاد کرو
نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى
میرے احسان جو میں نے تم پر کئے ف۵ اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ
تمام عالم پر اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے
شَيْـــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ
کچھ بھی ف۶ اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے بدلہ اور
لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
نہ ان کو مدد پہنچے ف۷ اور جب چھڑا دیا ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے ف۸

منزل ۱

وکیلا (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱) تورات کے اس مضمون کی قرآن مجید نے کئی جگہ تصدیق کی ہے چنانچہ سورۂ مزمل میں ارشاد ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا یعنی اللہ کے سوا کوئی ہر قسم کی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا حاجات و مشکلات میں کوئی ملجا و ماویٰ نہیں لہٰذا اسے ہی پکارو، اسے ہی اپنا کارساز سمجھو، ضرورتوں اور مصیبتوں میں اسی ہی کی طرف رجوع کرو۔ ف۹۹ یہ پہلی نہی ہے۔ کافر لفظاً مفرد ہے لیکن معنی جمع ہے۔ معناه اول من كفر به او اول فريق او فوج كافر به (کبیر صفحہ ۴۹۰ ج ۱، قرطبی صفحہ ۲۳۳ ج ۱) ان یہودیوں سے پہلے مشرکین عرب دعوت توحید کا انکار کر چکے تھے پھر انہیں سب سے پہلے انکار کرنے والے کیوں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ پر نزول قرآن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ تورات میں مذکور تھے۔ آپ کی بعثت سے پہلے یہودی عالم آپ کے ظہور کی خوشخبری دیا کرتے تھے۔ اور ان کو تورات کی وہ آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے جن میں قرآن اور صاحب قرآن کا ذکر ہوتا تھا تو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ بہت پہلے قرآنی دعوت کو قبول کرتے مگر اس کے برعکس انہوں نے جانتے پہچانتے اس کا انکار کر دیا۔ اب ان کے مریدین اور مقتدین نیز ان کی اولاد ان کی دیکھا دیکھی کفر و انکار کرے گی۔ فان وظيفتكم ان تكونوا اول من آمن به لما انكم تعرفون حقيقة الامر (روح صفحہ ۲۲۴ ج ۱) ف۱ یہ دوسری نہی ہے۔ یہودیوں کے علماء اور پیروں کی ساکھ اپنی قوم میں خاصی مضبوط تھی۔ عوام کو ان کے ساتھ گہری محبت اور عقیدت تھی۔ عوام ہمیشہ ان کی خوشنودی کے لئے انہیں نذریں نیازیں پیش کیا کرتے تھے۔ علمائے یہود کو یقین تھا کہ اگر ان کے عوام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا تو ان کی ریاست اور شان و شوکت خاک میں مل جائیگی اور ان کی نذر و شیرینی کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ تورات کی ان آیتوں کو اپنے عوام سے چھپانے لگے جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ کی صفات و علامات بیان کی گئی تھیں۔ یہاں اسی کرتوت سے علمائے یہود کو روکا گیا ہے اور لفظ اشترا یہاں اپنے حقیقی معنوں میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد محض ترجیح اور استبدال ہے۔ یعنی ایک چیز کی جگہ دوسری چیز کو اختیار کرنا۔ اس آیت میں دنیوی دولت اور رفاہی منافع کو اظہار حق پر ترجیح دینے کو اشترا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ثمناً کے ساتھ لفظ قَلِيْلًا بڑھانے سے دولت دنیا کی حقارت کی طرف اشارہ ہے یعنی میری آیتوں کے عوض تم جو رقم وصول کرتے ہو، وہ میری آیتوں یا دولت آخرت کی نسبت نہایت قلیل اور حقیر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی آیتوں کو تھوڑی رقم کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے اور زیادہ رقم کے عوض جائز ہے۔ (من الکبیر صفحہ ۴۹۱ ج ۱ والروح صفحہ ۲۴۵ ج ۱ وغیرہما) حق چھپا کر پیٹ کا جہنم بھرنے کی یہ سنت آج بھی جاری ہے۔ یہودیوں کی طرح بہت سے مولوی اور پیر آپ کو ایسے نظر آئیں گے جو لوگوں کو گیارھویں شریف کی ترغیب تو دیتے ہوں گے۔ اپنے دادا کی قبر پر حاضر ہو کر چڑھاوے اور نذریں پیش کرنے کی تلقین کرتے ہوں گے۔ حاجتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کی قبروں پر حاضری دیکر انہیں مدد کیلئے پکارنے کی تعلیم بھی دیتے ہونگے مگر اپنے مریدوں کے سامنے آپ نے انہیں قرآن مجید کی اُن آیتوں کا وعظ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا ہوگا جن میں اللہ نے غیر اللہ کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کو حرام کہا ہے اور جن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، میرے سوا کوئی عالم الغیب اور کارساز نہیں اس لئے میرے سوا حاجات و مشکلات میں کسی اور کو مت پکارو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے یہودیوں کی طرح انہیں بھی یقین ہے کہ ان کی آمدنیاں بند ہو جائیں گی۔ اور ان کا چھوٹا وقار ختم ہو جائے گا۔ ف۱ یہ تیسری نہی ہے وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ اس کا عطف تَلْبِسُوْا پر ہے اور یہ چوتھی نہی ہے۔ یہودی خود بھی کفر اور گمراہی میں مبتلا تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی ہر ممکن طریقہ سے گمراہ کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ اس سے پہلی آیت میں خود یہود کو کفر و ضلالت سے باز رہنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس آیت میں انہیں دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اعلم ان قوله سبحانه وآمنوا بما انزلت امر بترك الكفر والضلال وقوله وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ امر بترك الاغواء والاضلال (کبیر صفحہ ۴۹۲ ج ۱)

حاشیہ: ۱۲ اہل الفاسق – ۱۲ امر سادس – ۱۲ امر سابع – ۱۲ امر ثامن – ۱۲ اعادہ بعد عہد – ترغیب و ترہیب ۱۲ – ترغیب ۱۲ – ترہیب ۱۲ – بنی اسرائیل کے حالات – اس میں ... – عذاب بد ... – انعام اول ۱۲

موضح القرآن ف۱ قدرت پکڑ محنت سہانے سے اور نماز سے یعنی اس کی عادت کرو تو سب کام دین کے آسان پڑیں ۱۲ ف۲ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں پکڑے نہ جاوینگے۔ ہمارے باپ دادے پیغمبر ہم کو چھوڑا

علمائے یہود عوام کو گمراہ کرنے کے لئے دو طرح کے حربے استعمال کرتے تھے جن لوگوں کو حضور علیہ السلام کی تورات میں بیان کی گئی صفات و علامات کا تھوڑا بہت علم تھا ان کے دلوں میں تو شبہات پیدا کرکے انہیں یقین دلا دیتے کہ یہ
صفات و علامات اس پیغمبر پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ایسے لوگوں کی ہدایت کا جو ادنیٰ سا امکان پیدا ہوتا اسے وہ اس طرح ختم کر دیتے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ میں اسی کرتوت سے منع فرمایا ہے۔ اور جو لوگ بالکل ہی بے خبر اور
جاہل تھے ان سے وہ حق بات کو چھپاتے تاکہ وہ اندھیرے ہی میں رہیں اور ان کی ہدایت پانے کا کوئی امکان پیدا ہی نہ ہو۔ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ میں اس سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم لبس و
کتمان کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ خلق خدا کو گمراہ کرنا کتنا بڑا جرم ہے! اور اس کی سزا کس قدر سخت ہے اس لئے تمہیں تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ یہ پانچواں امر ہے۔ وَآتُوا الزَّكَاةَ یہ چھٹا امر
ہے۔ یعنی خود بھی ایمان لاؤ اور دوسرے لوگوں کو بھی ایمان لانے سے نہ روکو اور اس کے بعد اسلام کے دوسرے اعمال کی بھی پابندی کرو۔ بدنی اور مالی عبادتوں میں سب سے اہم نماز اور زکوٰۃ تھی اس لئے اس کا ذکر کر دیا۔ نیز ان دونوں عبادتوں میں
ان کی بنیادی بیماری یعنی حُبّ دنیا کا مکمل علاج تھا اس لئے ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ نماز سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس سے بغض و حسد کی بیماری سے دلوں کو شفا حاصل ہوتی ہے۔ اور زکوٰۃ سے حرص و طمع
اور حُبّ جاہ و مال سے نجات مل جاتی ہے۔ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ یہ ساتواں امر ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ پورے پورے اُمّتِ محمدیہ میں شامل ہو جاؤ اور اسلام کے تمام احکام قبول کر لو۔ رَاكِعِينَ سے مراد اُمّتِ محمدیہ کے
نمازی ہیں کیونکہ رکوع امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ ای صلوا مع الذین فی صلوتهم رکوع (معالم ص۳۶ ج ۱) **۴۴** یہاں استفہام اظہار حیرت و تعجب کے لئے ہے یعنی تمہارا حال قابل تعجب ہے کہ تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود
نیکی نہیں کرتے ہو۔ یہ خطاب علمائے یہود سے ہے کہ وہ لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ تورات میں نبی کریم علیہ السلام کی صداقت کی نشانیاں موجود تھیں مگر انہوں نے آپ کو نہ مانا۔ ان الیہود
کانوا یامرون غیرهم باتباع التوراة ثم انهم خالفوه لانهم وجدوا فیها ما یدل علی صدق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم انهم ما آمنوا به (کبیر ص۴۹ ج ۱) بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب مشرکین مکہ یا یہودیوں کے مسلمان
رشتہ داروں میں سے کوئی شخص پوشیدہ طور پر علمائے یہود سے حضور علیہ السلام کے بارے میں پوچھتا تو اسے کہتے کہ وہ پیغمبر سچا ہے اسے مان لو لیکن خود اسے نہیں مانتے تھے کیونکہ انہیں اپنی نذروں اور نیازوں کے بند ہو جانے کا ڈر تھا۔ اذا جاءهم
احد فی الخفیة لاستعلام امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قالوا هو صادق فیما یقول وامره حق فاتبعوه وهم کانوا لا یتبعونه لطمعهم فی الهدایا والصلات التی کانت تصل الیهم من اتباعهم (کبیر ص۴۹ ج ۱) نزلت
فی علماء الیهود وذلك ان الرجل منهم کان یقول لقریبه وحلیفه من المومنین اذا ساله عن امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اثبت علی دینه فان امره حق وقوله صدق (معالم ص۲۶ ج ۱) وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ
الْكِتَابَ اور تم تو تورات کے عالم ہو۔ اور اسے پڑھتے رہتے ہو۔ اس میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و علامات مذکور ہیں نیز اس میں نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کا حکم ہے معناه تقرءون التوراة وتدرسونها و
تعلمون ما فیها من الحث علی افعال البر والاعراض عن افعال الاثم (کبیر ص۴۹ ج ۱) أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ تعجب ہے کہ مندرجہ بالا امور کے باوجود تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ **۴۵** یہ آٹھواں امر ہے علمائے یہود کے اسلام (مسئلۂ توحید)
قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ان کی آمدنی تھی جو انہیں معتقدین کے ذریعے حاصل ہوتی تھی۔ نیز ان کی شان و شوکت اور ریاست و سیادت جو عوام پر قائم تھی اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان سب چیزوں سے ہاتھ
دھونے پڑتے تھے۔ اور ساتھ ہی حرام خوری کی وجہ سے ان کے دل مُردہ ہو چکے تھے۔ ان کے دلوں سے خوفِ خدا اور احساس حق بالکل محو ہو چکا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کا علاج بیان فرمایا۔ متصل بما قبله
کانهم لما امروا بما یشق علیهم لما فیه من الکلفة وترك الریاسة والاعراض عن المال عولجوا بذلك (بیضاوی ص۲۳) اور مراد نماز کی پابندی سے تم حُبّ جاہ و مال کے جذبہ کو دبا سکو گے۔ کیونکہ جب تم نفس کو
مرغوباتِ نفسانیہ سے روکنے کا پختہ ارادہ کر لو گے (اور یہی صبر کا مفہوم ہے) اور ساتھ ہی نماز کے پابند ہو جاؤ گے تو نماز کا خشوع اور اس میں اللہ کا ذکر اور وعد و وعید اور ثواب و عقاب کی یاد یہ سب چیزیں مل کر تمہارے دلوں کو
دنیا کی محبت سے پاک کر کے ان میں آخرت کی رغبت اور محبت بھر دیں گی (من الکبیر ص۴۹ ج ۱، الروح ص۲۴۹ ج ۱) مشہور ہے۔ من یتصبر یصبره اللہ۔

صبر آرد آرزوہا را شتاب   صبر کن واللہ اعلم بالصواب

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ——— إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ——— وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ ——— إِنَّهَا کی ضمیر خصلت کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد استعانت بالصبر و
الصلوٰۃ ہے جو ما قبل سے مفہوم ہے یعنی نفس کو مرغوبات سے روکنا اور اسے دنیا کے گوناگوں منافع اور بوقلموں تحائف کو ترک کرنے پر آمادہ کرنا بہت ہی شاق اور دشوار کام ہے۔ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔ البتہ جن کے
دلوں میں خدا کا خوف ہے اور وہ احکامِ خداوندی کے سامنے جھک جاتے ہیں ان کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں کیونکہ انہیں تو اپنے آقا کی فرمانبرداری میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ **۴۶** لفظ ظن عربی زبان میں شک
اور یقین دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ الظن من الاضداد یکون شکا ویقینا (معالم ص۲۷ ج ۱) العرب قد تسمی الیقین ظنا والشك ظنا (ابن جریر ص۲۶۲ ج ۱) یہاں یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یظنون
یستیقنون (ابن جریر ص۲۶۲ ج ۱، معالم ص۲۷ ج ۱) والظن هنا فی قول الجمهور بمعنی الیقین (قرطبی ص۳۷۵ ج ۱) یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے دو ہی چیزیں محرک ہو سکتی ہیں
یعنی "امید" اور "خوف"۔ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ میں صفت ربوبیت کی صراحت سے اشارہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے مہربان رب کے پاس جائیں گے جس سے ان کی تمام امیدیں وابستہ ہیں۔ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ خدا کی طرف واپسی سے
فوراً ذہن یوم آخرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے جس میں اللہ کے سوا کسی کی حکومت اور عدالت نہیں ہوگی۔ اس سے ترہیب کا پہلو نکلتا ہے۔ اور ان کے خوفِ آخرت کی طرف اشارہ ہے۔
قال الشیخ رحمه اللہ تعالیٰ ثبت من هذه القصة ان لا تعبدوا من هو عدو لکم واتبعوا هدی الانبیاء علیهم السلام الذی اخذ علیکم العهد باتباعه حین الاخذ علی آدم علیه السلام حیث قال فمن تبع هدای
فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون فلما عمم الخطاب اولا بقوله یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الآیة فالآن خص الخطاب باهل الکتاب بقوله یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا الخ ونفی فی ضمنه عبادة
الانبیاء علیهم السلام یعنی قصۂ آدم و ابلیس سے ثابت ہوا کہ ابلیس آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم کا سخت دشمن ہے اس لئے اس کی عبادت مت کرو اور انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کرو کیونکہ اتباعِ ہدیٰ
کا تم سے عہد لیا جا چکا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے یا ایها الناس الخ میں خطاب عام کے ذریعے مسئلہ توحید ماننے کی تمام بنی آدم کو دعوت دی اس کے بعد یٰبنی اسرائیل اذکروا الخ سے خاص اہل کتاب کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کیا
عوام ہمیشہ تین گروہوں کے تابع ہوتے ہیں۔ عالموں کے، پیروں اور گدی نشینوں کے اور سوم نوابوں کے بنی اسرائیل کا خطابِ عام سب کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سبکو خطاب کر کے فرمایا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو اور میرے احکام کی
پیروی کا تم نے جو میرے ساتھ عہد کیا تھا اسے پورا کرو۔ ان دونوں باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ مسئلۂ توحید کی مخالفت نہ کرو بلکہ اسے مان لو۔ اس کے عوض میں تم کو مزید نعمتیں دونگا اور دنیا و آخرت میں تم کو اجرِ عظیم عطا کروں گا۔
وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ الخ مسئلہ توحید جو میں نے قرآن میں نازل کیا ہے اس کو مان لو یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں بلکہ تمہاری کتاب تورات میں بھی موجود ہے اگر تم اس مسئلہ کا انکار کرو گے تو تمہاری دیکھا دیکھی تمہارے مرید و تمہاری رعیت بھی اس کا انکار
کرے گی۔ اور اس کا گناہ اور وبال بھی تمہارے سر ہو گا وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي الخ چند روزہ اور حقیر دنیوی منافع، مذہبی اور خانقاہی ریاست کے بدلے مسئلہ توحید کو نہ چھوڑو وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ الخ بے خبر لوگوں سے مسئلہ
توحید کو چھپاؤ اور جن کو اس کا تھوڑا بہت علم ہے ان پر اس کو گڈمڈ نہ کرو۔ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي یہ امر مصلح ہے۔ شرک چھوڑ کر مسئلہ توحید کو مان کر نماز قائم کرو۔ یہودیوں کے مولویوں، ان کے پیروں اور گدی نشینوں کا جو اقتدار ان کے عوام
کے دلوں میں جما ہوا تھا، ان کی مذہبی آمریت اور ریاست، عوام سے حاصل ہونے والے مالی اور دنیوی فوائد ان تمام چیزوں کو یکدم چھوڑنا نہایت مشکل کام تھا۔ اور مسئلہ توحید کو ماننے سے یہ سب کچھ چھوڑنا پڑتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ
نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ نماز سے ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے اور زکوٰۃ دینے سے ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور حبِ جاہ و مال میں کمی واقع ہوتی ہے۔ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ
وَالصَّلَاةِ۔ اور جب تم مسئلہ توحید کو مان لو گے تو ظاہر ہے کہ تمہاری نذر و نیاز کی تمام آمدنیاں بند ہو جائیں گی۔ اور بہت سے تمہارے مرید اور نیاز مند بھی تم سے منحرف ہو جائیں گے۔ اس لئے اس نقصان کی تلافی کے

لئے نیز اس صدمہ کو برداشت کرنے کے لئے تم صبر اور نماز سے کام لو۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا (رکوع ۶) سے لے کر یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا (ع ۱۵) تک اجمال کے بعد تفصیل ہے اور اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ اور اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ہی کا تفصیلی بیان ہے۔ بنی اسرائیل ایک ایسی قوم تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید ماننے کی وجہ سے اپنی گوناگوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ لیکن جب اس قوم نے توحید کو چھوڑ کر شرک کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے عذاب و عتاب کا نشانہ بنایا۔ اس اجمال کی تفصیل کو آگے پانچ انواع میں بیان کیا گیا ہے۔

نوعِ اوّل ــــ یہ ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہے

اس میں یہود کے آباء و اجداد پر آٹھ نعمتوں اور دو نقمتوں کا ذکر ہے۔ شروع میں اجمالی طور پر ترغیب و ترہیب کا اعادہ ہے اور پھر تفصیل ہے۔ یہ نوع گویا کہ اذکروا نعمتی اور ایای فارھبون کی تشریح و توضیح اور تفصیل ہے۔ **۵۔ف** یہ ترغیب ہے۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ یہاں عالمین سے مراد صرف اس زمانے کے تمام لوگ ہیں یعنی اس آیت میں نزول قرآن کے وقت موجودہ یہودیوں کے باپ دادوں کی ان کی تمام ہم عصر اقوام پر فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ المراد فضلتکم علیٰ عالمی زمانکم (کبیر ص۵۵ ج ۱، قرطبی ص۳۶ ج ۱، معالم ص۲۷ ج ۱) المراد بالعالمین سائر الموجودین فی وقت التفضیل (روح ص۲۵ ج ۱) لہٰذا اس سے بنی اسرائیل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ اور وجہ افضلیت کے لئے ہمیشہ کوئی امتیازی خوبی ہونی چاہیئے اور وہ عقیدۂ توحید ہے۔ زمانۂ فترت میں صرف بنی اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو مسلک توحید کی صدیوں پابند رہی۔ دنیا کی باقی قومیں کم و بیش شرک میں مبتلا تھیں لیکن رفتہ رفتہ قوم بنی اسرائیل بھی توحید سے دور ہوتی گئی۔ تاآنکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے تک یہودی کئی قسم کے شرکوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا یہ ترہیب ہے یَوْمًا نکرہ ہے۔ اور بعد میں آنے والی اس کی صفات متعین کرتی ہیں کہ اس سے مراد یوم آخرت ہے۔ دنیا میں جرم کی سزا سے بچنے کیلئے عام طور پر چار ذرائع نجات میں سے کوئی ایک ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے اور اکثر مجرم ان کے ذریعے قرار واقعی سزا سے بچ جاتے ہیں (۱) اگر مجرم کا باپ یا دادا یا اوپر کا کوئی مورث یا کوئی اور دور و نزدیک کا رشتہ دار دین یا دنیا کے لحاظ سے بڑا با اثر اور با رسوخ آدمی ہو۔ لوگ اس کے دنیوی کارناموں سے متاثر ہوں یا اس کی دینی اور مذہبی خدمات کی وجہ سے اسے اللہ کا ولی مانتے ہوں اور اس سے دلی عقیدت رکھتے ہوں تو ایسے شخص سے تعلق رکھنے والے مجرم کو محض اس تعلق اور انتساب کی بنا پر چھوڑ دیا جاتا ہے (۲) کسی با اثر اور صاحبِ اقتدار آدمی کی سفارش سے بھی مجرم کی سزا معاف کر دی جاتی ہے (۳) بعض اوقات کچھ دے دلا کر مجرم بری کرا لیا جاتا ہے (۴) اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طاقت کے بل پر زبردستی مجرم کو چھڑا لیا جاتا ہے۔

یہودیوں میں شرک اور بدعقیدگی اس درجہ راسخ ہو چکی تھی کہ ان کا خیال تھا کہ ان حربوں کے ذریعے آخرت کی سزا سے بھی بچا جا سکے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ وہاں یہ چیزیں کام نہیں آئیں گی۔ **۶۔ف** اس میں امر اول کی نفی ہے۔ ای لایغنی احد عن احد (ابن کثیر ص۸۶ ج ۱) لا تقضی یوم القیامۃ نفس عن نفس شیئا مما وجب علیھا ولا تنوب عنھا ولا تحتمل لما اصابھا (روح ص۲۵ ج ۱) وَلَا یُقْبَلُ مِنْھَا شَفَاعَۃٌ۔ یہ امر ثانی کی نفی ہے معتزلہ اور دیگر فرق باطلہ منکرہ شفاعت نے اس آیت کے عموم سے نفی شفاعت پر استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق شفاعت کی نفی نہیں بلکہ شفاعت قہری کی نفی ہے جس طرح یہودیوں کا خیال تھا کہ ہمارے باپ دادا ہم کو ہماری بدعنوانیوں کے باوجود خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے اور اللہ کو ان کی سفارش ماننی پڑے گی۔ یا یہ نفی کفار اور مشرکین سے مخصوص ہے اور مطلب یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کے حق میں کسی قسم کی شفاعت قبول نہیں ہوگی۔ والجواب انھا خاصۃ بالکفار للاٰیات الواردۃ فی الشفاعۃ والاحادیث المرویۃ فیھا (ابوالسعود ص۵۲ ج ۱) وَلَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ یہاں تیسرے ذریعہ کے نافع ہونے کی نفی ہے۔ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ یہ چوتھے ذریعہ کے غیر نافع ہونے کا اعلان ہے۔ آگے انعامات کی تفصیل ہے۔ **۷۔ف** یہ پہلا انعام ہے۔ آلِ فرعون سے مراد یہاں قوم فرعون ہے جو کفر و شرک کے مسلک میں اس کی ہمنوا تھی۔ اما اٰل فرعون فلاشک ان المراد منه ھٰھنا من کان من قوم فرعون وھم الذین عزموا علی ھلاک بنی اسرائیل (کبیر ص۵۱ ج ۱) اٰل فرعون قومه واتباعه واھل دینه (قرطبی ص۳۱ ج ۱) قوم فرعون سے نجات دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف سے جو مظالم ان پر توڑے جاتے تھے اور جو تکلیفیں اور ایذائیں انہیں دی جاتی تھیں ان سے ان کو بچا لیا۔ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔ فرعون کی قوم چونکہ حکمران تھی اور بنی اسرائیل محکوم تھے اس لئے قوم فرعون ان کو بیگار میں پکڑ لیتے اور ان سے سخت محنت اور مشقت کراتے۔ اس طرح انہیں جسمانی عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ **۸۔ف** یہ ذہنی اور روحانی کوفت تھی جو انہیں فرعونیوں کی طرف سے اٹھانی پڑ رہی تھی۔ بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ فرعون نے سن رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ انبیاء و سلاطین پیدا ہوتے رہیں گے۔ (یہاں تک کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو جائے) اس سے فرعون نے اپنی سلطنت کیلئے خطرہ محسوس کیا۔ اور بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے لڑکوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ عن ابن عبّاس رضی اللہ عنھما انه وقع الی فرعون وطبقته ما کان اللہ وعد ابراھیم ان یجعل فی ذریته انبیاء وملوکا فخافوا علیٰ ذٰلک واتفقت کلمتھم علی اعداد رجال معھم الشفار یطوفون فی بنی اسرائیل فلا یجدون مولودا ذکرا الا ذبحوه (کبیر ص۵۱ ج ۱)

۱۰۹ لفظ **بلاء** نعمت اور مصیبت دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ فیقال للنعمۃ بلاء وللنقمۃ الشدیدۃ بلاء (کبیر ص۵۱۹ ج ا وغیرہ) یہاں اگر ذٰلک کا اشارہ فرعونیوں کے افعال کی طرف ہو تو بلاء کے معنی ابتلاء اور مصیبت کے ہوں گے۔ اور اگر اشارہ نجات دینے کی طرف ہو تو اس کے معنی نعمت کے ہوں گے اور یہی زیادہ موزوں ہے۔ البلاء ھھنا ھو المحنۃ ان اشیر بلفظ ذٰلکم الی صنع فرعون والنعمۃ ان اشیر بہ الی الانجاء وحمل علی النعمۃ اولی لانھا ھی التی صدرت من الرب تعالٰی ولان موضع الحجۃ علی الیھود انعام اللہ تعالٰی علی اسلافھم (کبیر ص۵۱۹ ج ا کذا فی الروح ص۲۵۵ ج ا والقرطبی ص۳۸۷ ج ا والبیضاوی ص۲۴) **۱۱۰** یہ دوسرا انعام ہے۔ بِکُمْ میں با بمعنی لام ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے لئے سمندر کو چیر کر اس میں راستے بنائے۔ ای فرقنا لکم (معالم ص۴۹ ج ا، قرطبی ص۳۸۸ ج ا) یا "با" سببیت کے لئے ہے۔ فرقناہ بسببکم وبسبب انجائکم (کبیر ص۵۱۹ ج ا، روح ص۲۵۵ ج ا) اور **البحر** سے مراد یہاں بحر احمر ہے جس کا دوسرا نام بحر قلزم ہے ویذکر ان البحر ھو بحر القلزم (قرطبی ص۳۹۰ ج ا) حضرت موسٰی علیہ السلام شب و روز تبلیغ میں مصروف رہے

يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ

جو کرتے تھے تم پر برا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے

نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَإِذْ

تھے تمہاری عورتوں کو ف۱۰۹ اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی ف۱۱۰ ف۱ اور جب

فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ

پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا دیا ہم نے تم کو ف۱۱۱ اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو

وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ وَٰعَدْنَا مُوسَىٰٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً

اور تم دیکھ رہے تھے ف۱۱۲ ف۲ اور جب ہم نے وعدہ کیا موسٰی سے چالیس رات کا ف۱۱۳

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿۵۱﴾

پھر تم نے بنا لیا بچھڑا موسٰی کے بعد اور تم ظالم تھے ف۱۱۴ ف

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تاکہ تم احسان مانو ف۱۱۵

وَإِذْ ءَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ

اور جب ہم نے دی موسٰی کو کتاب اور حق و باطل (حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام) تاکہ تم

تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦ يَٰقَوْمِ إِنَّكُمْ

سیدھی راہ پاؤ ف۳ اور جب کہا موسٰی نے اپنی قوم سے اے قوم تم نے

ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِٱتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوٓا۟ إِلَىٰ

نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا بنا کر سو اب توبہ کرو اپنے

بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ

پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے

بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر بے شک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان ف۳

مگر فرعون اور اس کی قوم پر ان کی دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے تبلیغ و ارشاد اور معجزات کے ذریعے ان پر حجت خداوندی قائم کر دی۔ ادھر اللہ تعالٰی نے مظلوم بنی اسرائیل کی آہ و پکار سن لی جو مدت ہائے دراز سے فرعونیوں کے ظلم و ستم سہہ رہے تھے اب فرعونیوں پر عذاب الٰہی کے نزول کا وقت آپہنچا۔ اللہ تعالٰی نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو اپنی قوم کو ساتھ لے کر ہجرت کر جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ وہ راتوں رات چل نکلے اور چلتے چلتے سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ ادھر فرعون کو خبر ہو گئی۔ وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر ان کی تلاش میں چل نکلا۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ سامنے سمندر ہے اور پیچھے دشمن اور دائیں بائیں پہاڑ تو گھبرا اٹھے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے حکم خداوندی پا کر اپنا عصا سمندر میں مارا جس سے فوراً سمندر کا پانی سمٹ گیا اور اس میں بارہ کشادہ راستے بن گئے۔ اسرائیلی ان راستوں کے ذریعے سمندر پار کر کے جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئے۔ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ **۱۱۱** جب فرعون لاؤ لشکر لیکر ساحل سمندر پر پہنچا اور سمندر میں خشک راستے دیکھے تو اس نے بھی اپنا گھوڑا سمندر میں اتار دیا اور اس کے پیچھے سارا لشکر سمندر میں گھس گیا۔ جب سارا لاؤ لشکر سمندر میں اتر گیا تو اللہ تعالٰی نے پانی کو جاری کر کے سب کو غرق کر دیا فرعونیوں کے غرق ہونے کا یہ نظارہ اسرائیلیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا **۱۱۲** یہ تیسرا انعام ہے سمندر پار کرنے کے بعد حضرت موسٰی علیہ السلام تورات لینے کے لئے حکم خداوندی سے کوہ طور پر پہنچے۔ وہاں آپ نے چالیس راتیں بسر کیں۔ اور اللہ کی طرف سے تورات حاصل کی۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ ـــــ اِتَّخَذْتُمْ کا دوسرا مفعول محذوف ہے ای اتخذتم العجل الٰھًا۔ یعنی تم نے گوسالہ کو معبود بنا لیا (ابو السعود ص۵۱۳ ج ا، قرطبی ص۳۹۶ ج ا) جب حضرت موسٰی علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر خود کوہ طور پر چلے گئے تو سامری نے جو ایک منافق تھا، سونے کے زیورات اکٹھے کئے اور ان کو پگھلا کر ان سے بچھڑے کا بت تیار کیا اور حضرت ابن عباس اور معمر کے قول کے مطابق مٹی کی وہ مٹھی جو اس نے جبرئیل علیہ السلام کی سواری کے پاؤں کی جگہ سے اٹھائی تھی اس میں ڈال دی جس سے اس میں زندگی پیدا ہو گئی اور وہ جاندار بچھڑے کی طرح بولنے لگا۔ فلما جمعوہ القی السامری القبضۃ وقال کن عجلا جسدا لہ خوار فصار کذلک (روح ص۲۵۷ ج ا، قرطبی ص۳۹۵ ج ا) اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بچھڑے کے پیٹ کی ساخت میں

Margin notes: سلہ انعام ثانی ۱۲ — سلہ انعام ثالث ۱۲ — سلہ انعام رابع ۱۲ — تمہید زجر خامس ۱۲

موضح القرآن ف۱ اس کا قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا گیا ہے۔ **ف۲** چکوتی وہ حکم جن سے معاملے فیصل ہوں اور روا ناروا معلوم ہو۔

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید سبب کشتن پسران آں بود کہ کاہناں فرعون را خبر دادہ بودند کہ در بنی اسرائیل پسرے پیدا شود کہ باعث برافتادن بادشاہی او گردد واللہ اعلم ۱۲ **ف۲** مترجم گوید کہ خدائے تعالٰی موسٰی علیہ السلام را وعدہ داد کہ چہل شب در طور معتکف شود تا تورات عطا فرمایم۔ دریں مدت بنی اسرائیل باغوائی سامری گوسالہ پرستی اختیار کردند۔ خدائے تعالٰی بعد عود موسٰی حکم فرمود کہ بعض ایشاں بعض را بکشند و ایں توبہ ایشاں است واللہ اعلم ۱۲ **ف۳** مترجم گوید موسٰی علیہ السلام ہفتاد کس را از بنی اسرائیل با خود برد تا با دے کلام الٰہی استماع نمایند ایشاں بعد از شنیدن خواہان رؤیت شدند و در طلب آں پا از حد ادب بیروں نہادند۔ خدائے تعالٰی آں ہمہ را بصاعقہ بسوخت و باز بدعاء موسٰی زندہ ساخت۔ اشارہ بریں قصہ است ایں آیت واللہ اعلم ۱۲

اس قسم کے سوراخ تھے کہ جب ان میں ہوا داخل ہوتی تھی اس وقت ہو بہو بچھڑے کی سی آواز پیدا ہو جاتی خوارہ دصوتہ کان بالریح لانہ کان عمل فیہ خروقًا فاذا دخلت الریح فی جوفہ خار ولم تکن فیہ حیاۃ وھذا قول مجاھد (قرطبی ص۲۸۵ ج ۱) سامری نے اسرائیلیوں سے کہا کہ یہ تمہارا رب ہے اس کی پوجا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں حلول کئے ہوئے ہے۔ یہی عقیدہ عیسائیوں کا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کئے ہوئے ہے۔ یہی عقیدہ آج کل کے بعض غالی مبتدعین کا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیر و مرشد میں داخل ہے۔ چنانچہ اسرائیلی حضرت ہارون علیہ السلام کے روکنے کے باوجود گوسالہ سامری کی پوجا کرنے لگے۔ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ یعنی اس شرک کی وجہ سے تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ۔ اس ارتکاب شرک کے بعد جب تم نے سچی توبہ کرلی تو ہم نے تمہارا یہ قصور معاف کردیا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم اس انعام کا شکریہ ادا کرو اور آئندہ کے لئے شرک سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو شعار زندگی بناؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چند دنوں کے لئے ہی اپنی امت سے غائب ہوئے تھے کہ سامری نے مکر و فریب سے ان کی امت کو گمراہ کردیا۔ اس قسم کے سامری تقریبًا ہر امت میں موجود ہوتے ہیں۔ امت محمدیہ میں بھی آج کئی مذہبی اور سیاسی سامری موجود ہیں جنہوں نے کمال عیاری سے سادہ لوح قسم کے لوگوں کو غلط راہ پر ڈال رکھا ہے۔ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ۔ یہ چوتھا انعام ہے۔ الکتاب اور الفرقان سے مراد تورات ہے کیونکہ یہ دونوں اس کی صفتیں ہیں۔ ان التوراۃ لھا صفتان کونھا کتابًا منزلًا وکونھا فرقانًا تفرق بین الحق والباطل (کبیر ص۳۲۲ ج ۱ کذا فی المعالم ص۵۲ ج ۱) لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ ایک جامع نظام زندگی تمہارے ہاتھ آجائے اور تم زندگی کے ہر شعبہ میں سیدھی راہ پر چل کر رضائے الٰہی حاصل کرسکو۔ پانچواں انعام۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا پایا تو انہیں توبہ کرنے کی تلقین فرمائی فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی جنہوں نے گوسالہ کی پوجا نہیں کی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے اس کی پوجا کی ہے۔ ای لیقتل بعضکم بعضًا..... وروی انہ امر من لم یعبد العجل ان یقتل من عبدہ (روح ص۲۶۰ ج ۱) توبہ کی اصل تو یہ ہے کہ آدمی گذشتہ گناہوں پر نادم ہو اور آئندہ کیلئے گناہوں کے ترک کا عزم مصمم کرے مگر اسرائیلیوں کی توبہ کی قبولیت کے لئے قتل نفس کو شرط قرار دیا گیا۔ لان اللہ تعالیٰ اوحی الی موسیٰ علیہ السلام ان شرط توبتھم قتل النفس (کبیر ص۳۲۷ ج ۱) ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ یعنی گناہ پر اصرار کرنے سے توبہ بہتر ہے کیونکہ اس سے تم گناہ شرک سے پاک ہو جاؤ گے اور آخرت میں ابدی زندگی پاؤ گے۔ لما انہ طھارۃ عن الشرک ووصلۃ الی الحیاۃ الابدیۃ والبھجۃ السرمدیۃ۔ (ابو السعود ص۳۱۳ ج ۱) فَتَابَ عَلَيْكُمْ جب تم نے سچی توبہ کرلی اور قتل ہونے کے لئے تیار ہوگئے اور تم میں سے کچھ قتل بھی ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے بقیہ سے قتل کا حکم اٹھالیا اور سب کی توبہ قبول کرلی ان اللہ تعالیٰ لما امرھم بالقتل رفع ذلک الامر عنھم قبل فنائھم بالکلیۃ فکان ذلک نعمۃ فی حق اولئک الباقین الخ (کبیر ص۳۲۶ ج ۱) اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے جب اس نے ان کے دلوں کا اخلاص دیکھا تو ان کی توبہ قبول کرلی اور انہیں معاف کردیا۔ **۱۱۳** یہ چھٹا انعام ہے یعنی جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہم تمہارے بیان کی تصدیق نہیں کریں گے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لیکر اپنی قوم کے پاس آئے اور قبول توبہ کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد ان سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو تو ان میں بعض گستاخ اور ضعیف الایمان قسم کے لوگوں نے کہا کہ جب تک ہم خود تورات کے متعلق اللہ کا حکم نہیں سنیں گے اس وقت تک نہیں مانیں گے۔ نیز ان میں سے بعض نے کہا کہ تورات کے احکام مشکل ہیں ہم سے ان پر عمل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مشکل احکام نافذ فرمائے جس طرح آج کل نئی روشنی سے متأثر ذہنیتیں رکھنے والے مسلمان کہتے ہیں کہ جی قرآن کے کئی ایک احکام تو بڑے ہی سخت ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور ہی کیلئے موزوں تھے مگر اس ترقی یافتہ زمانہ میں تو وہ بالکل ہی ناقابل عمل ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر نیک اور برگزیدہ آدمیوں کو چن کر کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں انہوں نے پس پردہ اپنے کانوں سے اللہ کا کلام سنا مگر پھر بھی مطمئن نہ ہوئے اور ایک اور مہمل اور ناممکن مطالبہ پیش کردیا کہ اللہ کا کلام تو ہم نے سن لیا مگر ہمیں کامل اطمینان صرف اسی صورت میں ہوگا کہ ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ۔ صاعقہ سے مراد گرجدار آواز ہے۔ صیحۃ سماویۃ خروا لھا صعقین میتین (روح ص۲۶۲ ج ۱) یہ مطالبہ چونکہ نہایت گستاخانہ اور محض ضد و عناد پر مبنی تھا۔ طلب ہدایت کے لئے نہیں تھا اس لئے انکو اس کی پاداش میں ایک گرجدار آواز کے ذریعے ہلاک کردیا گیا۔ لانھم لم یسألوا سوال استرشاد بل سوال تعنت وعناد (مدارک ص۳۹ ج ۱) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحیل فانھم ظنوا انہ تعالیٰ یشبہ الاجسام فطلبوا رؤیتہ رؤیۃ الاجسام فی الجھات والاحیاز المقابلۃ للرائی وھی محال اھ (بیضاوی ص۲۵) وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ یعنی تم نے اپنی آنکھوں سے صاعقہ کے ذریعے ایک دوسرے کو مرتے دیکھا۔ ای ینظر بعضکم لبعض حین اخذکم الموت (معالم ص۵۳ ج ۱) **۱۱۴** تاکہ تم دوبارہ جی اٹھنے کی نعمت کی قدر کرو اور میری بھیجی ہوئی تورات کو مانو اور عقیدۂ توحید کے پابند رہو معتزلہ اور روافض نے اس آیت سے امتناع رؤیت باری تعالیٰ پر استدلال کیا ہے۔ مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس سے امتناع فی الدنیا ثابت ہوتا ہے نہ کہ مطلق امتناع۔ اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ فی نفسہٖ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ممکن ہے لیکن دنیا میں اس کا وقوع نہیں ہوگا۔ البتہ آخرت میں مومنین دیدار الٰہی سے مشرف و محظوظ ہوں گے۔ واھل السنۃ والسلف علی جوازھا فیھما ووقوعھا فی الاخرۃ (قرطبی ص۴۰۳ ج ۱) **۱۱۵** یہ ساتواں انعام ہے۔ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام تھا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ جب فرعون غرق ہوگیا اور اسرائیلی بالکل مطمئن ہوگئے تو انہیں قوم عمالقہ سے جو اس وقت ملک شام پر قابض تھے جہاد کرکے اپنا وطن آزاد کرانے کا حکم ملا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں جہاد کے لئے چل نکلے جب قریب پہنچے اور عمالقہ کی طاقت اور قوت کا پتہ چلا تو ہمت ہار بیٹھے اور ان سے لڑنے سے صاف انکار کردیا۔ اس پر اللہ نے ان کو یہ سزا دی کہ وہ پورے چالیس سال میدان تیہ میں سرگرداں اور مارے مارے پھرتے رہے۔ یہ جنگل بالکل چٹیل اور بے آب و گیاہ تھا۔ اس میں نہ سایہ کے لئے کوئی درخت تھا نہ پینے کے لئے پانی اور نہ کھانے کے لئے کوئی چیز۔ جب انہوں نے دھوپ کی شکایت کی، اللہ نے ان پر بادل پھیلا کر سایہ مہیا فرمادیا۔ جب بھوک کی شکایت کی، من و سلویٰ کا انتظام کردیا۔ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اَلْمَنّ کے معنے ترنجبین کے ہیں وہ گوند کے مشابہ ایک میٹھی چیز ہے جو اوس کی طرح صبح کے وقت پودوں پر گرتی ہے۔ اسرائیلی جب صبح اٹھتے تو پودوں پر انہیں ترنجبین کی بہت بڑی مقدار ملتی جسے وہ مزے سے کھاتے۔ والمشھور انہ الترنجبین وھو شیء یشبہ الصمغ حلو مع شیء من الحموضۃ کان ینزل علیھم کالطل (روح ص۲۶۳ ج ۱) اور سلویٰ ایک قسم کی بٹیریں ہیں وھو طائر یشبہ السمانی او ھو السمانی بعینہ (روح ص۲۶۴ ج ۱) کان یبعث علیھم الجنوب فتحشر علیھم السلوی وھی السمانی فیذبح الرجل منھا ما یکفیہ (مدارک ص۳۹ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ جنوب کی طرف سے ہوا چلا دیتا جس کے ساتھ بٹیریں اڑتی چلی آتیں اور وہ انہیں پکڑ کر ذبح کرلیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک سہولت بھی مہیا کی کہ بٹیریں ان سے بھاگتی نہیں تھیں وہ جب چاہتے پکڑ لیتے تھے۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ قرآن مجید میں گذشتہ واقعات کے سلسلہ میں جہاں کہیں صیغۂ امر استعمال ہوگا اس سے پہلے قَالَ یا قُلْنَا وغیرہ حسب موقع محذوف ہوگا (رضی ص۔۔) و قلنا لھم کلوا من الطیبات (مدارک ص۳۹ ج ۱، روح ص۲۶۴ ج ۱، قرطبی ص۴۰۶ ج ۱) **۱۱۶** اسرائیلیوں نے اللہ کے انعامات کی ناشکری کی اور اس سے اللہ کا انہوں نے کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ اس ناشکری کا وبال خود انہیں پر پڑا بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ وہ صرف اتنا ہی من و سلویٰ جمع کریں جتنا وہ کھا سکیں اور آئندہ کے لئے جمع نہ کریں مگر وہ حرص و لالچ کے بندے باز نہ آئے اور انہوں نے ذخیرہ اندوزی کرکے اللہ کی نافرمانی کی اور اس طرح انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ **۱۱۷** یہ پہلا عذاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تو میدان تیہ ہی میں وفات ہوچکی تھی اور حضرت یوشع علیہ السلام آپ کے جانشین ہوچکے۔ ادھر بنی اسرائیل کے وہ بڑے بوڑھے سرکش بھی ختم ہوچکے تھے جنہوں نے جہاد سے انکار کیا تھا۔ اب حضرت یوشع علیہ السلام نے نوجوانوں کی نئی پود کو جہاد عمالقہ پر آمادہ کیا اور ملک شام کو فتح کرلیا اس کے بعد انہیں بیت المقدس کے شہر میں داخل ہونے کا حکم ملا یہاں القریہ سے مراد بیت المقدس کا شہر ہے۔ وھو اختیار قتادۃ والربیع وابی مسلم الاصفھانی

اللہ بیت المقدس (کبیر ص۵۳۴ ج ۱) ف۱۸ یہاں دنیوی لذائذ سے متمتع ہونے کی اباحت فرمائی۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ۔ الباب سے مراد بیت المقدس کا دروازہ ہے والمراد بھا علی المشہور احد
ابواب بیت المقدس وتدعی الاٰن باب حطة قال ابن عباس (روح ص۲۶۰ ج ۱) وھو قول الضحاک ومجاھد وقتادۃ (کبیر ص۵۳۴ ج ۱) اور سجدًا سے مراد اصطلاحی سجدہ نہیں بلکہ محض انحنا یا
جھکنا مراد ہے اور بعض نے اسے تواضع اور خضوع پر محمول کیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مراد اصطلاحی سجدہ ہو یعنی پیشانی کا زمین پر رکھنا قال الحسن اراد بہ نفس السجود الذی ھو الصاق الوجہ بالارض
(کبیر ص۵۳۴ ج ۱) امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر اشکال وارد کیا ہے کہ اگر سجدہ سے مراد اصطلاحی سجدہ ہو تو سجدہ کی حالت میں دروازے سے داخل ہونا ناممکن ہے مگر اشکال صرف اسی صورت میں ہے
جبکہ دروازے سے فصیلِ شہر کا دروازہ مراد ہو لیکن اگر دروازہ سے بیت المقدس کی مسجد کا دروازہ مراد ہو جیسا کہ امام نسفی فرماتے ہیں باب لقبۃ التی کانوا یصلون الیھا (مدارک ص۳۹ ج ۱) اور سجدًا

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ
اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تیرا یقین نہ کریں گے جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو
جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾
سامنے ف۱۱ پھر آلیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے
ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾
پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے تاکہ تم احسان مانو ف۱۱۲ ف۱
وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ ٱلْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ ٱلْمَنَّ وَ
اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور
ٱلسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا
سلویٰ ف۱۱۳ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں۔ اور انہوں نے ہمارا کچھ
وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ قُلْنَا ٱدْخُلُوا۟
نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ف۱۱۴ ف۱ اور جب ہم نے کہا داخل ہو
هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةَ فَكُلُوا۟ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَ
اس شہر میں ف۱۱۵ ف۲ اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو فراغت سے ف۱۱۸ اور
ٱدْخُلُوا۟ ٱلْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا۟ حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ
داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخش دے ف۱۱۹ تو معاف کر دینگے ہم تمہارے
خَطَٰيَٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ ٱلَّذِينَ
قصور اور زیادہ بھی دینگے نیکی والوں کو ف۲ پھر بدل ڈالا
ظَلَمُوا۟ قَوْلًا غَيْرَ ٱلَّذِى قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى
ظالموں نے بات کو خلاف اس کے جو کہدی گئی تھی ان سے ف۱۲۰ پھر اتارا ہم نے
ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ رِجْزًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ بِمَا كَانُوا۟ يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ ع ٦ / ٣ / ٦
ظالموں پر عذاب آسمان سے ف۱۲۱ ان کی عدول حکمی پر ف۳ ﴿٥٩﴾

سلـ انعام سادس ١٢

حال مؤکدہ نہ ہو بلکہ حال مقدرہ ہو جیسا کہ یا یہا النبی انا ارسلنٰک
شاہدًا میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔ (کشاف ص۴۳۴ ج ۲) تو
اس صورت میں اصل عبارت یوں ہوگی وادخلوا باب المسجد مقدرین
لکم السجود وقت حصولکم فیہ۔ اور مقصد یہ ہے کہ اس شہر میں کھانے
پینے کی چیزیں کثرت اور فراوانی سے موجود ہیں۔ خوب فراخی سے کھاؤ
پیو اور ساتھ بطور شکر نعمت خدا کے گھر میں حاضر ہو کر اس کی عبادت
بجا لاؤ حضرت شیخ رحمہ اللہ اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں ف۱۱۹ حِطَّةٌ
مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای مسئلتنا حطة (مدارک ص۳۹ ج ۱،
کبیر ص۵۳۵ ج ۱) یعنی ہماری درخواست گناہوں کی معافی ہے نَغْفِرْ

سلـ انعام سابع ١٢

لَكُمْ خَطَٰيَٰكُمْ یہ ادخلوا اور قولوا دونوں کا جواب ہے۔
یعنی جب تم میری عبادت بجا لاؤ گے اور مجھ سے اپنے گناہوں کی
معافی مانگو گے تو میں تمہارے تمام گناہ معاف کر دونگا۔ سَنَزِيدُ
ٱلْمُحْسِنِينَ محسنین سے مخلصین کاملین مراد ہیں جیسا کہ حدیث

سلـ عذاب اول ١٢

جبریل میں احسان کی تفسیر میں ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ مطلب
یہ کہ گناہوں کی معافی تو ان سب کے لئے ہے جو مذکورہ حکم کی تعمیل کرینگے
مگر مخلصین کو مزید انعام واکرام سے نوازا جائیگا۔ یا محسنین سے وہ لوگ
مراد ہیں جنہوں نے ماضی میں خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی مثلاً گوسالہ کی
پوجا نہیں کی اور من وسلویٰ کا ذخیرہ نہیں کیا وغیرہ (قرطبی ص۴۱۵ ج ۱)
ف۱۲۰ ان میں سے جو نافرمان اور بدخود غلط کار تھے انہوں نے اللہ کی
طرف سے تلقین کردہ الفاظ کو چھوڑ کر تمسخر واستہزا کے طور پر کچھ اور
ہی الفاظ الاپنے شروع کر دیئے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے
حِطَّةٌ کے بجائے حنطۃٌ کی رٹ شروع کر دی (قرطبی ص۴۱۰ ج ۱، روح
ص۲۶۰ ج ۱ وغیرہ) قولی مخالفت کے ساتھ ساتھ انہوں نے عملاً بھی اللہ
کے حکم کی مخالفت کی۔ چنانچہ دروازے سے جھک کر گذرنے کے بجائے
اکڑتے اور اتراتے ہوئے گذرے۔

موضح القرآن ف۱ جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل خلاص
ہو کر چلے جنگل میں ان کے خیمے پھٹ گئے تو سارے دن ابر رہتا دھوپ کا
بچاؤ اور اناج نہ پہنچا تو من وسلویٰ اترا کھانے کو من ایک چیز تھی میٹھی دھنیے
کے سے دانے رات کو برستی لشکر کے گرد ڈھیر ہو رہتی صبح کو ہر آدمی اپنی قوت
کے برابر چن لاتا اور سلویٰ ایک جانور کا نام ہے شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جانور جمع ہوتے اندھیرا پڑے پکڑ لاتے کباب کر کر کھاتے مدتوں تک یہی کھایا کئے ف۲ اس جنگل میں پھنسے تھے اپنی تقصیر سے سورۂ مائدہ میں اس کا بیان ہے
پھر ایک کھانے سے تھک گئے تب ایک شہر میں پہنچایا اور حکم کیا کہ دروازے میں سجدہ کر کر جاؤ اور حطة کہو یعنی گناہ اترے۔ ف۳ یعنی ٹھٹھے سے حِطَّةٌ کے بدلے کہنے لگے حنطۃٌ یعنی گیہوں اور سجدے کے بدلے لگے سرین
پر پھسلنے پھر شہر میں جا کر ان پر طاعون پڑی یعنی وبا پھوڑے کی دو پہر میں قریب ستر ہزار آدمی مرے۔

فتح الرحمن ف۱ بنی اسرائیل مامور شدند بجہاد عمالقہ وایشاں دراں باب تغافل کردند پس معاقب شدند بافتادن در بیابان چہل سال و آنجا چوں آب طعام وخیمہ مفقود شد خدائے تعالیٰ بدعاء موسیٰ علیہ السلام
من وسلویٰ نازل ساخت واز سنگے دوازدہ چشمہ رواں کرد وابر را سایہ بآں گردانید۔ قدر ایں نعمتہا نشناختند وکفر نعمت کردند اشارت بدیں قصہ است ایں آیت ١٢ ف۲ یعنی دیہی
کہ در زمان حضرت موسیٰ فتح شدہ بود ١٢

۱۲۱ جن لوگوں نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کے حکم کو تمسخر سے بدل دیا ان پر آسمانی عذاب نازل کیا گیا۔ یہ عذاب طاعون کی بیماری کی صورت میں ان پر مسلط کیا گیا۔ والمراد به الطاعون (بیضاوی ۲۵ مصر)
وقال ابن زید بعث الله علیہم الطاعون (کبیر ص۵۳۴ ج ا) بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ یہ عذاب ان پر ان کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے نازل کیا گیا۔ بسبب فسقهم المستمر (ابوالسعود ص۵۳۹ ج ا) ۱۲۲ یہ
آٹھواں انعام ہے۔ یہ واقعہ بھی میدانِ تیہ میں پیش آیا۔ وہاں جب اسرائیلیوں کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا۔ جمهور المفسرین اجمعوا علی ان هذا الاستسقاء کان فی التیہ
(کبیر ص۵۴۴ ج ا) تو انہوں نے خدا کے حکم سے پتھر پر عصا مارا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔ الحجر میں الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور اس سے کسی مخصوص اور معین پتھر کی طرف اشارہ ہے
کان حجرا معینا بدلیل انه عرفه بالالف اللام۔ (معالم ص۵۵ ج ا) ۱۲۳ اسرائیلیوں کے بارہ قبیلے تھے اور ان میں باہم منافرت اور نا اتفاقی تھی اس لئے ہر قبیلے کے لئے الگ الگ چشمہ جاری کر دیا کہ کہیں پانی

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ
اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے ۱۲۲ تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو
الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ
پتھر پر سو بہہ نکلے اس میں سے بارہ چشمے ۱۲۳
قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ وہ کھاؤ اور پیو
مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾
اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے ۱۲۴ وہ
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر ۱۲۵
فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ
سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اُگتا ہے زمین سے
مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ
ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز
قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ
کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے بدلے اس چیز کے جو
خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ
بہتر ہے ۱۲۶ اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو اور
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ
ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی ۱۲۷ اور پھرے اللہ کا غضب
مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
لے کر یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو ۱۲۸

پیتے پیتے آپس میں برسر پیکار نہ ہو جائیں لکونهم کانوا اثنی عشر سبطا و
کان بینهم تضاغن وتنافس فاجرى الله تعالی لکل سبط عینا یردها
لا یشرک فیها احد من السبط الآخر فیا لاثارة الشحناء۔
(روح ص۲۷۲ ج ا) قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ یعنی ہر قبیلے کو
اپنی گھاٹ معلوم ہو گئی اور ہر قبیلے کو بتا دیا گیا کہ وہ صرف اپنی ہی گھاٹ
سے پانی پی سکتے ہیں۔ ۱۲۴ یعنی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو
اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اور اس کا دیا ہوا رزق کھا
پی کر اس کی زمین پر اس کی نافرمانی کر کے شر و فساد مت بپا کرو
مفسدین حال مؤکدہ لعاملها ہے۔ (شرح شذور الذہب
ابن ہشام ص۲۴۲) ۱۲۵ یہ دوسرا عذاب ہے۔ یہ واقعہ بھی میدان
تیہ کا ہے۔ جب بنی اسرائیل سالہا سال تک ایک ہی طرز کا کھانا
یعنی من و سلویٰ کھا کھا کر اکتا گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ وہ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ
ہمارے لئے مختلف قسم کی ترکاریاں اور غلے پیدا کرے فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی کیونکہ انبیاء
علیہم السلام کی دعا اقرب الی الاجابۃ ہوتی ہے۔ اس سے زندہ بزرگ سے
دعا کرانے کا جواز نکلتا ہے۔ وَفُوْمِهَا۔ فوم کے معنی گیہوں اور لہسن
دونوں کے آتے ہیں لیکن یہاں لہسن مراد ہے۔ وهو مروی عن ابن
عباس ومجاهد واختيار الكسائی (کبیر ص۵۴۴ ج ا) ۱۲۶
استفہام اظہار تعجب کیلئے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم عمدہ چیز کے عوض
گھٹیا چیز کا مطالبہ کر رہے ہو۔ من و سلویٰ کی ان کی طلب کردہ اشیاء پر
ترجیح اور افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ من و سلویٰ ایک قیمتی اور نہایت لذیذ
غذا ہے اور ترکاریوں کی نسبت زیادہ مفید بھی ہے نیز ان کے حاصل
کرنے میں کوئی تکلیف و دقت نہیں (روح ص۲۷۴ ج ا) اِهْبِطُوْا
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ ان کا مطالبہ منظور ہوا اور انہیں
اجازت مل گئی کہ وہ قرب و جوار کے کسی شہر میں چلے جائیں۔ انہیں
منہ مانگی چیزیں مل جائیں گی۔ ۱۲۷ الذلة سے مراد رسوائی اور
المسكنة سے مراد فقر و احتیاج ہے والذلة الذل والصغار
والمسكنة الفقر (قرطبی ص۴۳۰ ج ا) اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی

اور ضد و عناد کی وجہ سے بنی اسرائیل پر ذلت و رسوائی اور تنگدستی و محتاجی ہمیشہ کے لئے مسلط کر دی گئی۔ دنیا میں یہ قوم جہاں بھی ہے ذلیل و خوار اور فقیر و محتاج ہے۔ اگر ان میں دولتمند ہیں بھی تو گنتی
کے چند آدمی باقی رہے عوام تو ان کا شمار دنیا کی مفلس ترین اقوام میں ہے اب اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی حکومت بھی دنیا کے نقشہ پر نمودار ہو گئی ہے مگر یہ حکومت حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ امریکہ نے مشرقِ وسطیٰ میں اپنے مخصوص سیاسی
مفادات کے پیش نظر ایک کاغذی ڈھانچہ سا کھڑا کر رکھا ہے اس کی اپنی کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی کوئی منفرد پالیسی ہے اگر آج امریکہ اس کی امداد سے دست کش ہو جائے تو سورج ڈھلنے سے پہلے اسرائیلی حکومت کی ہڈی پسلی نہ ملے [illegible]
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ باءو کے معنی یہاں استحقوا اور استوجبوا کے ہیں (کبیر ص۵۴۵ ج ا، ابن کثیر ص۱۰۲ ج ا، روح ص۲۷۶ ج ا) یعنی قوم بنی اسرائیل کفر و عصیان اور قتل انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے غضب الٰہی کی مستحق ٹھہری
موضح القرآن ف اس جنگل میں پانی نہ ملا تو ایک پتھر سے بارہ چشمے نکلے بارہ قوم تھے کسی میں کم ہر قوم کے موافق ایک چشمہ تھا اس سے پہچان لیا جب لشکر کوچ کرتا تو وہ پتھر ساتھ اٹھا لیتے جب قیام ہوتا تو رکھ دیتے۔
فتح الرحمٰن ف ا یعنی بنی اسرائیل دوازدہ قبیلہ بودند برائے ہر قبیلہ یک چشمہ معین شد ۱۲

۱۲۸ آیات سے اللہ کی توحید کی آیتیں مراد ہیں یا اس سے مراد کتب سماویہ اور معجزات انبیاء ہیں ای یکذبون بآیات اللہ ای بکتابہ ومعجزات انبیائہ کعیسٰی ویحییٰ وزکریا ومحمد علیہم السلام
یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ یہ مضارع بھی کانوا کے تحت داخل ہے کان ماضی جب کسی فعل مضارع پر داخل ہو تو اس سے عام طور پر فعل میں دوام و استمرار کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تکذیب آیات اور قتل
انبیاء ان کی عادت مستمرہ ہو چکی تھی۔ ایک طرف تو وہ توحید کا انکار کرتے تھے اور دوسری طرف توحید بیان کرنے والے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے تھے۔ اور یہی ان کے استحقاقِ غضب کا سبب بنی بِغَیْرِ الْحَقِّ کی قید
سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں اس لئے ان کا قتل صرف ناحق ہی ہو سکتا ہے پھر بغیر الحق کی قید بڑھانے سے کیا فائدہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل انبیاء علیہم السلام ایک بہت بڑا گناہ اور عظیم
جرم ہے اس لئے اس کی قباحت اور شناعت کو تاکید کے ساتھ بیان کرنے کے لئے اس قید کی صراحت کی گئی۔ تعظیم للشنعۃ والذنب الذی اتوہ (قرطبی ص ۱۳۳ ج ۱) **۱۲۹** ذٰلِكَ سے کفر بالآیات اور قتل انبیاء

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
اور خون کرتے تھے نبیوں کا ناحق یہ اس لئے کہ نافرمان تھے
وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
اور حد پر نہ رہتے تھے **۱۲۹** بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے **۱۳۰** اور جو لوگ
هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـــِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ
اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو ان کیلئے ہے ان کا ثواب ان کے
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَ
رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۱ ف۱ اور
اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ
جب لیا ہم نے تم سے قرار **۱۳۱** اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے **۱۳۲** اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم
تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ
ڈرو ف۲ پھر تم پھر گئے اس کے بعد **۱۳۳** سو اگر
لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾
نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم خراب ہوتے **۱۳۴**
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي
اور تم (اے موجودہ اسرائیلیو) خوب جان چکے ہو جنہوں نے تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے
السَّبْتِ فَقُلْنَا لَھُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـــِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ ۚ
دن میں **۱۳۵** تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل **۱۳۶**

ع ٧

تتمہ نوع اول ۱۲

سے نوع ثانی ۱۲ بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کی تین جنایتوں میں سے پہلی جنایت ۱۲

کی طرف اشارہ ہے اشارۃ الی الکفر والقتل الواقعین سببًا لما تقدم (روح ص ۲۷۷ ج ۱) بما میں با سببیہ اور ما مصدریہ ہے خدا کی نافرمانی اور حدود شکنی نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے لگے۔ کیونکہ جس طرح چھوٹی چھوٹی نیکیاں بڑی نیکیوں کی طرف لے جاتی ہیں اسی طرح بعض اوقات چھوٹے چھوٹے گناہ بڑے گناہوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ ای جرھم العصیان والتمادی فی العدوان الی ما ذکر من الکفر وقتل الانبیاء علیہم السلام فان صغار الذنوب اذا دووم علیہا ادت الی کبارھا کما ان مداومۃ صغار الطاعات مؤدیۃ الی تحری کبارھا۔ (ابو السعود ص ۵۳۸ ج ۱ کذا فی البیضاوی ص ۲) یہاں تک نوع اول کی تفصیل تھی۔ **۱۳۰** یہ آیت نوعِ اول کا تتمہ ہے اور الذین اٰمنوا سے مراد امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے ای من اٰمن بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (بحر ص ۲۴۰ ج ۱) وَالَّذِيْنَ هَادُوْا۔ یہودیت کے پیرو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت وَالنَّصٰرٰى دین عیسوی کے متبعین وَالصّٰبِـــِٕيْنَ یہ لوگ بھی اہل کتاب ہی کا ایک گروہ ہیں فرقۃ من اھل الکتاب (ابن کثیر ص ۱۰۴ ج ۱) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ہر فرقہ اپنے لقب اور نام پر خوش ہے مگر اصل ذریعہ نجات یہ القاب اور انتسابات نہیں ہیں بلکہ نجات کا مدار تو ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ یہاں یہ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ آیت میں صرف اللہ پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری نہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کی تمام صفات کمال اور نعوت جلال میں وحدہٗ لاشریک، یکتا اور بے مثل مانا جائے اور اسکے تمام احکام کی تعمیل کی جائے لہٰذا یہ جملہ ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، ایمان بالملٰئکہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ قد دخل فی الایمان باللہ الایمان بما اوجبہ اعنی الایمان برسلہ (کبیر ص ۵۵ ج ۱) دوسری بات یہ ہے یہاں ایمان باللہ کا ذکر اجمالی ہے قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں اسکی تفصیل موجود ہے چنانچہ سورۂ حجرات رکوع ۲ میں ارشاد ربانی ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ؀ اس آیت میں صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ اللہ کے تمام رسولوں پر بھی ایمان لائیں اور ایمان بھی ایسا لائیں جو ریب و تردد اور ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہو اور پھر ان کی عملی زندگی بھی اس ایمان کے عین مطابق ہو اور رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ

موضح القرآن ف۱ یعنی کسی فرقے پر موقوف نہیں یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک اپنے اپنے وقت میں جس نے یہ کیا ثواب پایا یہ اس واسطے فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی پر مغرور رہتے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ہم ہر طرح خدا کے یہاں بہتر ہیں۔ یہودی کہتے ہیں حضرت موسیٰ ع کی امت کو اور نصاریٰ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ ع کی امت کو، صابئین بھی ایک فرقہ ہیں حضرت ابراہیم ع کو مانتے ہیں۔ **ف۲** جب توریت اتری تو کہنے لگے ہم سے اتنے حکم نہ ہو سکیں گے تب پہاڑ اوپر آیا کہ گر پڑے تب ڈر کر قبول کیا۔

فتح الرحمٰن ف۱ حاصل معنیٔ آیت آنکہ آدمی در اصل از ہر فرقہ کہ باشد چوں ایمان آورد از اہل نجات بود خصوصیت فرقہ معتبر نیست ۱۲

اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں اور سب کو اللہ کے سچے رسول مانیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۰ (سورہ نساء ع ۲۱) اس آیت سے دونوں باتیں واضح طور پر معلوم ہو گئیں۔ اول یہ کہ جس طرح اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ دوم یہ کہ بلا تفریق تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بعض پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا نجات اور ایمان کے لئے کافی نہیں ہے بعض پیغمبروں کا انکار تمام پیغمبروں کے انکار کے برابر ہے۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یوم آخرت اور اس میں جو کچھ ہونیوالا ہے سب پر ایمان لائے۔ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ یوم آخرت پر ایمان لانا اٰمَنَ بِاللّٰهِ میں داخل ہے لیکن اس کے باوجود اس کا ذکر صراحت سے کیا گیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اگرچہ آخرت پر ایمان رکھتے تھے مگر ان کا تصور آخرت قرآن کے پیش کردہ تصور سے بالکل جدا گانہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں صرف یہودی یا نصرانی ہی جنت میں جائیں گے۔ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یوم آخر پر ایمان لانے کا علیحدہ ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ آخرت پر اس طرح ایمان لانا ضروری ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے اس کے احوال بیان فرمائے ہیں کہ آخرت میں کسی قوم یا گروہ کی اجارہ داری نہیں ہوگی بلکہ وہاں صرف ایمان اور عمل صالح کام آئیں گے۔

نوع ثانی

(اس میں نزول قرآن کے وقت موجود بنی اسرائیل کے باپ دادوں کی تین خیانتیں اور شرارتیں بیان کی گئی ہیں۔)

۱۳۱ یہ پہلی خیانت ہے یہاں میثاق سے مراد تورات پر عمل کرنے کا عہد و میثاق ہے بقول ما فی التوریۃ (مدارک ص ۴۱ ج ۱) بالمحافظۃ علی ما فی التوریۃ (ابو السعود ص ۵۵ ج ۱) وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو تو انہوں نے کہا کہ یہ احکام سخت ہیں جب تک اللہ خود ہم سے ہمکلام نہ ہو اور اسے ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہم نہیں مانیں گے جس طرح آج کل مغرب زدہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام سخت ہیں جو موجودہ زمانے کے لئے غیر مفید ہیں اس لئے ان میں ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس پر انہیں صاعقہ بھیج کر ہلاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا مگر اس کے بعد پھر بھی وہ تورات کو ماننے پر تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ تورات پر عمل کرنے کا عہد کرو ورنہ پہاڑ گرا کر تمہیں ہلاک کر دیا جائیگا تو اس پر سب نے تورات پر عمل کرنیکا عہد کیا۔ یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دین میں تو جبر و اکراہ نہیں تو پھر اسرائیلیوں پر پہاڑ لٹکا کر انہیں تورات پر عمل کرنے پر کیوں مجبور کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداءً قبول اسلام پر کسی کو مجبور کرنے کی اسلام میں قطعاً کوئی اجازت نہیں البتہ قبول اسلام کے بعد اگر کوئی شخص اسلام کے دستور حیات سے بغاوت کرے گا تو اسے ہرگز برداشت نہیں کیا جائیگا۔ اسلام صرف چند مذہبی رسوم و احکام کا نام نہیں بلکہ وہ احکم الحاکمین کی حکومت و سلطنت کا کامل دستور اور مکمل آئین ہے اس لئے اسے قبول کرنے کے بعد اس سے بغاوت کو بشرط ضرورت جبر و اکراہ اور قوت و طاقت کے ذریعے روکا جائیگا بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو۔ جیسا کہ دنیا کی تمام حکومتوں کا اصول ہے کہ وہ اپنے دستور اور آئین سے بغاوت و سرکشی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتیں۔ اسرائیلی چونکہ اسلام قبول کر چکے تھے اور اب اس کے دستور (یعنی تورات جو اس وقت اسلام کا دستور تھا) سے بغاوت کر رہے تھے۔ اس لئے اسے برداشت نہیں کیا گیا اور بجبر و اکراہ ان سے تورات پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا۔ ۱۳۲ اس سے پہلے قُلْنَا محذوف ہے یعنی ہم نے کوہ طور ان کے اوپر کھڑا کر کے ان سے کہا کہ تورات کی صورت میں جو احکام ہم نے تمہیں دیئے ہیں ان کی سختی سے پابندی کرو وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اور اس کتاب کو درس و تدریس کے ذریعے یاد رکھو اس میں غور و فکر کرو اور اس کے امر و نہی پر عمل کرو واحفظوا ما فیہ وادرسوہ ولا تنسوہ ولا تغفلوا عنہ (مدارک ص ۴۲ ج ۱، کبیر ص ۵۵۲ ج ۱) ای تدبروہ واحفظوا اوامرہ ووعیدہ ولا تنسوہ ولا تضیعوہ (قرطبی ص ۴۳۷ ج ۱) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم دنیا کی تباہی اور آخرت کے عذاب سے بچ سکو لکی تنجوا من الھلاک فی الدنیا والعذاب فی العقبی (معالم ص ۵۸ ج ۱) ۱۳۳ یہ اشارہ مذکورہ عہد و پیمان کی طرف ہے یعنی پختہ عہد و پیمان کے بعد پھر تم نے حسب عادت قدیمہ اس سے اعراض کیا۔ اور اسے پس پشت ڈال دیا من بعد اخذ ذلک المیثاق المؤکد (ابو السعود ص ۵۵ ج ۱) ای اعرضتم عن الوفاء بالمیثاق بعد اخذہ وخالفتم (روح ص ۲۸۲ ج ۱) ۱۳۴ لیکن اس عہد شکنی کے باوجود اللہ نے اپنی خاص نوازش و مہربانی سے تمہیں موقع پر فوراً ہلاک نہ کیا اور سنبھلنے کے لئے تمہیں مزید مہلت دیدی اگر وہ ایسا نہ کرتا تو دنیا سے کب کا تمہارا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ ولولا فضل اللہ تعالیٰ علیکم بالامھال وتاخیر العذاب لکنتم من الھالکین (ابو السعود ص ۵۵ ج ۱)

۱۳۵ سبت یعنی ہفتہ کا دن دین یہود میں متبرک و مقدس دن تھا جیسا کہ مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیسائیوں کے لئے اتوار ہے ہفتہ کے دن انہیں مچھلی کے شکار سے روکا گیا تھا مگر انہوں نے خدا کے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور ہفتہ کے دن بھی شکار سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک سزا دی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا اور جن اسرائیلیوں کا یہ واقعہ ہے وہ ساحل سمندر پر واقع ایلہ نامی گاؤں کے باشندے تھے (روح ص ۲۸۲ ج ۱، کبیر ص ۵۵۳ ج ۱) ۱۳۶ ہم نے ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور انہیں ذلیل بندر بنا دیا یہ مسخ حقیقی اور حسی تھا مجازی اور معنوی نہیں تھا اور مسخ کے بعد تین دن کے اندر اندر سب ہلاک ہو گئے۔ وظاھر القرآن انھم مسخوا قردۃ علی الحقیقۃ وعلی ذلک جمھور المفسرین وھو الصحیح ...... ولم یعیشوا اکثر من ثلثۃ ایام (روح ص ۲۸۳ ج ۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موجودہ بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا کہ اپنے اسلاف کے عصیان و عدوان کا یہ واقعہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو یہ تمہاری آبائی تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہے اور ان کا جو حشر ہوا وہ بھی تمہیں بخوبی معلوم تو اب اس واقعہ سے اندازہ کر لو کہ اگر تم اسی طرح عصیان و عدوان اور تمرد و سرکشی میں رہے تو تم پر بھی قہر خداوندی نازل ہو کر رہے گا۔ انہ تعالیٰ لما اخبرھم بما عامل بہ اصحاب السبت فکانہ یقول لھم اما تخافون ان ینزل علیکم بسبب تمردکم ما انزل علیھم من العذاب فلا تغتروا بالامھال الممدود علیکم (کبیر ص ۵۵۳ ج ۱) ۱۳۷ ھا کی ضمیر مذکورہ سزا کی طرف راجع ہے نکالًا نکال کے معنی عبرت کے ہیں نکالا عبرۃ تنکل المعتبر بھا ای تمنعہ وتردعہ (ابو السعود ص ۵۵ ج ۱) لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس واقعہ کے ظہور کے وقت قرب و جوار میں موجود تھے۔ ای لمن قرب منھا (بحر ص ۲۴۷ ج ۱) لما حولھا من القری (بحر ص ۲۴۷ ج ۱) وَمَا خَلْفَهَا وہ لوگ جو اس زمانہ کے بعد ہوں گے۔ ای من جاء بعدھم (نہر) وما یحدث بعدھا من القری التی لم تکن (بحر) یعنی ہم نے اس سزا کو موجودہ لوگوں اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنا دیا کہ وہ اسے یاد کر کے خدا سے ڈرتے رہیں اور اس کی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکیں وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ متقین سے بنی اسرائیل کے وہ لوگ مراد ہیں جو اسرائیلیوں کو سبت میں شکار کرنے سے روکتے تھے۔ یہ واقعہ ان کے لئے بھی نصیحت آموز ہے اور اللہ کی اطاعت اور اس کی حدود کی پابندی کرنے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دیتا ہے یا متقین سے عام پرہیزگار اور خدا ترس لوگ مراد ہیں الذین نھوھم عن الاعتداء من صالحی قومھم اولکل متق سمعھا (مدارک ص ۴۲ ج ۱) ۱۳۸ یہ دوسری خیانت ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا مگر وہ خبث باطن کی وجہ سے اس حکم کو مذاق سمجھنے لگے اور اس معاملہ کو چالیس سال تک ٹالتے رہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ گائے ذبح کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو اس کے عزیزوں نے اس کی دولت حاصل کرنے کے لئے رات کی تاریکی میں قتل کر دیا۔ صبح ہوئی تو شور و غل بپا کر دیا اور معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے انہیں گائے ذبح کر کے اس کا کوئی حصہ مقتول کے جسم سے لگانے کا حکم دیا تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتا دے[1]۔ اس واقعہ کا پہلا حصہ بعد میں وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا میں مذکور ہے اور وَاِذْ قَالَ

---

[1] ان روایات کے متعلق حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں۔ الظاھر انھا ماخوذۃ من کتب بنی اسرائیل وھی مما یجوز نقلھا ولکن لا تصدق ولا تکذب فلھذا لا یعتمد علیھا الا ما وافق الحق عندنا واللہ اعلم (ابن کثیر ص ۱۱۰ ج ۱) س۔ ب

مُوسٰی لِقَوۡمِہٖۤ میں واقعہ کا آخری حصہ مذکور ہے ۔ واقعہ کی ترتیب کو اس لئے بدلا گیا تاکہ ایک ہی واقعہ سے متعلق ان کی دو خباثتوں کی واضح طور پر نشاندہی کی جاسکے اول گائے ذبح کرنے کے سلسلے میں پس وپیش اور ٹال مٹول دوم بے گناہوں پر قتل کا الزام ۔ اگر واقعہ کو اصل ترتیب سے ذکر کیا جاتا تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا ۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دو مستقل واقعے ہیں جیساکہ گذشتہ واقعات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ وَاِذۡ سے جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب مستقل واقعات ہیں ۔ نیز بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گائے ذبح کرنے کے حکم اور گائے حاصل کر کے ذبح کرنے کے درمیان چالیس سال کا طویل وقفہ تھا (مدارک ص۴۴ ج۱ ، کبیر ص۵۶۶ ج۱) نعش کا اتنا عرصہ بے گور وکفن پڑا رہنا اور پھر متعفن نہ ہونا یہ امور بھی عقل وقیاس سے بعید ہیں ۔ اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ دو مستقل واقعے ہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو طویل پس وپیش اور جستجو کے بعد جب وہ مطلوبہ گائے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوں تو قتل کا واقعہ پیش آگیا ہو اور انہیں اس گائے کا گوشت مقتول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا ہو تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرے وقیل انہ یجوز ان یکون ترتیب نزولہا علی موسی علیہ السلام علی حسب تلاوتہا بان یامرھم اللہ تعالیٰ بذبح البقرۃ ثم یقع القتال فیؤمروا ایضرب بعضہا (روح ص۲۹۵ ج۱ ، قرطبی ص۴۴۵ ج۱) لیکن ایک سوال باقی رہ جائیگا کہ اس صورت میں گائے ذبح کرنے کے حکم کی وجہ کیا ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک واقعہ ہونے کی صورت میں جس چیز کو مفسرین کرام نے ذبح کیلئے گائے ہی کو منتخب کرنے کی حکمت کہا ہے اس صورت میں وہی ذبح بقرہ کی علت ہوگی مصریوں کے ساتھ مدتوں رہنے کی وجہ سے اسرائیلی بھی گوسالہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہوچکے تھے ۔ وہ گائے کی پوجا کرتے اور اس کی تعظیم بجا لاتے تھے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود انہیں گوسالہ پرستی سے قدرے انس باقی تھا اگرچہ عملی طور پر وہ گائے کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن گوسالہ پرستی سے وہ پورے طور متنفر بھی نہیں تھے جبھی تو سامری کے گوسالہ کو دیکھتے ہی اسکے سامنے سجدہ ریز ہوگئے اس لئے ان کے سابق معبود کو ان کی نظروں میں ذلیل کرنے اور انہیں اس کی عبادت سے کلی طور پر متنفر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ توحید کی جڑیں انکے دلوں کی گہرائیوں میں پھیل کر خوب مضبوط ہوسکیں ۔ وقیل انما امروا بذبح البقرۃ دون غیرہا من البہائم لانہا افضل قرابینھم ولعبادتہم العجل فاراد اللہ ان یہون معبودھم عندھم (مدارک ص۴۴ ج۱) وانما اختص لبقر من سائر الحیوانات لانہم کانوا یعظمون البقر ویعبدونہا من دون اللہ فاختبروا بذلك الخ (بحر ص۲۵۰ ج۱) ف۱۳۹ اسرائیلی سمجھے کہ گائے تو ایک مقدس اور معظم جانور ہے بھلا اللہ تعالیٰ اسے ذبح کرنے کا حکم کس طرح دے سکتا ہے یا انہوں نے ذبح بقرہ کے ذریعے قاتل کے پتہ لگانے کو بعید از عقل سمجھا اس لئے کہا ہو نہ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے ہنسی مذاق کررہے ہیں ۔ قَالَ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ۔ کیونکہ احکام خداوندی کی تبلیغ میں تمسخر کرنا جاہلوں اور بیوقوفوں کا کام ہے اور انبیاء علیہم السلام کو یہ چیز زیب نہیں دیتی لان الہزء فی اثناء تبلیغ امر اللہ سبحانہ جہل وسفہ (ابوالسعود ص۵۵۹ ج۱) ف۱۴۰ اب یہاں سے اسرائیلیوں کے تعنت اور حکم خداوندی کے امتثال میں لیت ولعل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یہاں مَاھِیَ کے ذریعے گائے کی حقیقت مختصہ سے سوال نہیں ہے بلکہ یہ سوال محض ایضاح حال کیلئے ہے لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِکۡرٌ یعنی وہ نہ بوڑھی ہو اور نہ بچی الفارض اسم للمسنۃ التی انقطعت ولادتہا من الکبر والبکر اسم للصغیرۃ التی لم تلد من الصغر (روح ص۲۹۶ ج۱) عَوَانٌۢ بَیۡنَ ذٰلِکَ یہ ماقبل کی تاکید ہے عوان اسے کہتے ہیں جو مذکور دونوں عمروں کے درمیان ہو وسط بین السنین (معالم ص۵۲ ج۱) ای لا ھی صغیرۃ ولا ھی مسنۃ (قرطبی ص۴۴۸ ج۱) فَافۡعَلُوۡا مَا تُؤۡمَرُوۡنَ یعنی حکم کی تعمیل کرو اور زیادہ سوال وجواب نہ کرو ۔ ای من ذبح البقرۃ ولا تکثروا السؤال

فَجَعَلۡنٰہَا نَکَالًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہَا وَمَا خَلۡفَہَا وَ
پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ف۱۳۷ ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور
مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖۤ
نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے ف۱ اور جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے
اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَۃً ؕ قَالُوۡۤا اَتَتَّخِذُنَا
اللہ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے ف۱۳۸ ف۱ وہ بولے کیا تو ہم
ہُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۶۷﴾
سے ہنسی کرتا ہے ف۱۳۹ کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں سے
قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا ہِیَ ؕ قَالَ اِنَّہٗ
بولے کہ پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ بتادے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے ف۱۴۰ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ
یَقُوۡلُ اِنَّہَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِکۡرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیۡنَ
ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے
ذٰلِکَ ؕ فَافۡعَلُوۡا مَا تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ
بڑھاپے اور جوانی کے اب کرڈالو جو تم کو حکم ملا ہے بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے
یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا لَوۡنُہَا ؕ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوۡلُ اِنَّہَا بَقَرَۃٌ
کہ بتادے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ ف۱۴۱ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے
صَفۡرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوۡنُہَا تَسُرُّ النّٰظِرِیۡنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادۡعُ
زرد خوب گہری ہے اسکی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو بولے دعا کر
لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا ہِیَ ۙ اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیۡنَا ؕ
ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس قسم کی ہے وہ ف۱۴۲ کیونکہ اس گائے میں شبہ پڑا ہے ہم کو
وَاِنَّاۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ لَمُہۡتَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوۡلُ
اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور راہ پالیں گے کہا وہ فرماتا ہے

موضح القرآن ف۱ یہ قصہ سورۂ اعراف میں ہے ۔

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید شخصے را از بنی اسرائیل کشتہ یافتند و کشندۂ آں معلوم نبود خدا تعالیٰ حکم فرمود کہ گاؤ را ذبح کنند و بعضوی از آں مقتول را بزنند تا زندہ شود و از قاتلان خود خبر دہد القصہ گاؤ را بمبلغ خطیر خریدہ کردند و بزدند مقتول زندہ شد و پسران عم خود را نام برد کہ ایشان کشتند پس قاتلان را بقصاص رسانیدند و آں بار قاتل را از میراث محروم ساختند واللہ اعلم ۱۲

ولا تتعنتوا (روح ص۲۸۲ ج ۱) تجدید للامر وتاکید وتنبیه علی ترک التعنت فما ترکوه (قرطبی ص۴۴۹ ج ۱) ۱۴۱ جب عمر کے متعلق اطمینان ہوگیا تو اب رنگ کے متعلق سوال کر دیا صَفْرَاۗءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا فاقع کے معنی تیز زرد رنگ والے کے ہیں شدید الصفرة تکاد من صفرتها تبیض (ابن کثیر ص۱۱۱ ج ۱) تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ یعنی اس کا تیز اور گہرا زرد رنگ بدنما نہ ہو بلکہ ایسا خوشنما ہو کہ دیکھنے والے اسے دیکھ کر راحت اور سرور محسوس کریں
۱۴۲ یہ اسرائیلیوں کی سرکشی اور ان کے خبث باطن کی انتہا ہے کہ حکم خداوندی کی تعمیل میں کیسی چالاکی سے پس و پیش کر رہے ہیں اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا یعنی مذکورہ بالا اوصاف تو بہت سی گائیوں میں پائے جاتے ہیں ان سے گائے کی تعیین نہیں ہوتی اس لئے مزید وضاحت فرمائی جائے وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ بار بار سوال کی وجہ سے گائے کے حصول میں دشواری بڑھ رہی تھی اس لئے اب انہوں نے اپنی غلطی محسوس کی اور اس پر نادم ہوئے اور آخری سوال میں اپنی کامیابی کو مشیت ایزدی سے معلق کیا گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم مطلوبہ گائے حاصل کر کے ہی دم لیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے (قرطبی ص۴۵۲ ج ۱) ۱۴۳

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ
وہ ایک گائے ہے محنت کرنیوالی نہیں ۱۴۳ جو جوتتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیتی کو
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ
بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں بولے اب لایا تو ٹھیک بات
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۷۱ ع وَاِذْ قَتَلْتُمْ
پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے اور جب مار ڈالا تم نے
نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے ۱۴۴ اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم
تَكْتُمُوْنَ ۷۲ ع فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ
چھپاتے تھے پھر ہم نے کہا مارو اس مُردہ پر اس کا ایک حصہ اسی طرح زندہ کرے گا
اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۷۳ ثُمَّ
اللہ مُردوں کو ۱۴۵ اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو ف پھر
قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ
تمہارے دل سخت ہوگئے اس سب کے بعد ۱۴۶ سو وہ ہوگئے جیسے پتھر
اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ
یا ان سے بھی سخت ۱۴۷ (کیونکہ) پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں
مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ
نہریں اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے
الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا
پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور
اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۷۴ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ
اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے ۱۴۸ اب کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ

ع ۸

بنی اسرائیل کی خباثت ۲

مقتول نفس قتل از بنی اسرائیل کی باہمی جھگڑوں کا ذکر (۲)

یعنی اس سے محنت کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ یہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ مُسَلَّمَةٌ بے عیب ہو بریئة من العیوب (معالم ص۶۱ ج ۱) لَّا شِيَةَ فِيْهَا وہ یک رنگ ہو اور اس میں کسی دوسرے رنگ کا داغ دھبہ نہ ہو ای لیس فیها لون یخالف معظم لونها هی صفراء کلها لا بیاض فیها ولا حمرة ولا سواد (قرطبی ص۴۵۳ ج ۱) جِئْتَ بِالْحَقِّ یہاں حق بمعنی حقیقت ہے یعنی اب تم نے مطلوبہ گائے کی ٹھیک ٹھیک حقیقت بیان کی ہے۔ ای اظهرت حقیقة ما امرنا به فالحق هنا بمعنی الحقیقة (روح ص۲۹۰ ج ۱) فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ یعنی ان کی طبیعت گائے کے ذبح کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے بار بار سوال کرتے تھے۔ ذبح تو کیا مگر بڑی مشکل سے بنی اسرائیل کو کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا۔ مگر انہوں نے ازراہ تعنت اس میں موشگافیاں شروع کر دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ بالا اوصاف کی گائے کے لئے ایک طرف تو انہیں بہت زیادہ قیمت ادا کرنا پڑی اور دوسرا عرصہ دراز تک اس کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر وہ کوئی سی گائے لیکر ذبح کر ڈالتے تو ان کا کام بن جاتا۔ لو ذبحوا ای بقرة ارادوا لاجزأتهم ولکن شددوا علی انفسهم فشدد اللہ تعالیٰ علیهم (روح ص۲۹۰ ج ۱)۔
۱۴۴ یہ تیسری خباثت ہے۔ پہلی تفسیر کے مطابق یہ مذکورہ واقعہ کا پہلا حصہ ہے جسے بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ مستقل واقعہ ہے جو پہلے واقعہ کے بعد پیش آیا۔ ادّٰرَءْتُمْ درء سے ماخوذ ہے جسکے معنے ہٹانے اور دفع کرنے کے ہیں اور یہ اصل میں تدارءتم تھا۔ تا کو قرب مخرج کی وجہ سے دال سے تبدیل کیا گیا اور پھر اسے ساکن کر کے دوسرے دال میں ادغام کر دیا گیا اور ابتداء میں ہمزہ وصل کا اضافہ کیا گیا۔ باب تفاعل کا خاصہ مشارکت ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے ہر شخص قتل کا الزام دوسرے پر پھینکنے لگا۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ یعنی جس چیز کو تم مسلسل چھپانے کی کوشش کر رہے تھے اللہ اسے ظاہر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ہ کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے کیونکہ نفس مؤنث معنوی ہے۔ اس کی طرف مذکر و مؤنث دونوں ضمیریں راجع ہو سکتی ہیں اور بَعْضِهَا کی ضمیر گائے کی طرف راجع ہے مطلب یہ کہ گائے کے بدن کا کوئی سا حصہ مقتول کے بدن سے لگا دو تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتا دیگا۔ وقال الشیخ رحمه الله تعالیٰ ان الضمیر فی بعضها راجع الی النفس ایضا ومعناه اضربوا النفس القتیلة ببعض نفسها کاللسان ونحوها واللہ اعلم ۱۴۵ یہ جملہ معترضہ ہے جو اس واقعہ کی عبرت اور موعظت کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے۔ اس واقعہ میں منکرین حشر و نشر کے لئے عبرت ہے۔ یعنی جس طرح اللہ نے اس مُردہ کو زندہ کر دیا تھا اسی طرح وہ تمام مُردوں کو زندہ کرے گا۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ قدرت کے یہ نشانات اس لئے ظاہر فرماتا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور تاکہ تم عقل سے کام لیکر اس کی قدرت کاملہ پر استدلال کر سکو ویریکم اٰیٰته علی انه قادر علی کل شیء لعلکم تعقلون فتعملون علی قضیة عقولکم وهی ان من قدر علی احیاء نفس واحدة قدر علی احیاء

موضح قرآن ف بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا۔ اس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ اس کے وارث ہر کسی پر دعویٰ کرتے حق تعالیٰ نے اس طرح اس مرنے کو جلایا۔ اُس نے بتایا کہ ان وارثوں ہی نے مارا تھا۔

جمیعا (مدارک ص۳۷ ج ۱) یعنی جو ذات ایک مردہ کو زندہ کر سکتی ہے وہ سب کو خلعت حیات دوبارہ عطا کر سکتی۔ اس کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ۱۴۶ ذالک سے تمام گذشتہ واقعات، انعامات، آیات اور معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ ماسبق من الآیات التی علموھا (روح ص۲۹۵ ج ۱) یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان تمام آیات و معجزات اور تخویفات و تبشیرات کے بعد تمہارے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ان میں خوف پیدا ہو جاتا ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ اللہ ــــــ کے حکام کی پیروی کرتے اور سچی نیت سے اس کی اطاعت کرتے مگر اس کے باوجود تمہارے دل سخت ہو گئے اور تم نے بڑھ چڑھ کر حدود اللہ کو توڑا اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کی۔ ثُمَّ یہاں تراخی بیان کے لئے نہیں بلکہ استبعاد کیلئے ہے۔ ثم لاستبعاد القسوۃ بعد مشاھدۃ ما یزیلھا (ابو السعود ص۲۵۵ ج ۱) یعنی قبول حق کی طرف ان کے دل ذرا مائل نہ ہوئے مذکورہ بالا عبرتناک اور عبرت انگیز واقعات کے مشاہدہ کرنے کے بعد نرم ہونے کے بجائے ان کے دل اور سخت ہو گئے ۱۴۷ اور سخت بھی کیسے پتھر کی طرح بلکہ پتھر سے بھی سخت وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ کیونکہ پتھر تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ قال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ الواو تعلیلیۃ (کذا فی المغنی لابن ھشام ص۳۳ ج ۲) وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ اور کچھ پتھر ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے تھوڑا بہت پانی نکل آتا ہے۔ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو خوفِ خدا کے مارے گر پڑتے ہیں۔ پتھروں سے پانی کا نکلنا تو کوئی بعید نہیں البتہ پتھروں کے خوفِ خدا سے گرنے پر شبہ کیا جا سکتا ہے مگر یہ بھی کوئی بعید نہیں کیونکہ تمام جمادات کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کا شعور عطا کیا ہوا ہے جسے شعور بسیط کہتے ہیں۔ اور اس شعور کی بنا پر جمادات میں خوف و مسرت، حُبّ و بُغض اور دیگر اعراض پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں احد پہاڑ کے متعلق آتا ہے۔ احد جبل یحبنا و نحبہ یعنی احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پتھر تو پھر بھی کسی درجہ میں تأثر قبول کرتے ہیں مگر ان کے دل اتنے سخت ہیں کہ ان میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ والمعنی ان الحجارۃ تتاثر وتنفعل وقلوب ھؤلاء لا تتأثر ولا تنفعل عن امر اللہ تعالیٰ اصلاً۔

۱۴۸ یہ ان کی بداعمالیوں پر وعید ہے یعنی جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور انہیں ساری بداعمالیوں کی ضرور سزا دیگا۔ یہاں تک نوع ثانی ختم ہوئی جس میں ان کی خباثتوں کا ذکر تھا۔ اب آگے اس نوع کا تتمہ ہے جس میں خباثت کے لحاظ سے یہودیوں کے پانچ گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلا گروہ احبار و رہبان یعنی یہودیوں کے علماء اور درویشوں کا ہے جو سمجھ بوجھ کر تورات میں تحریف کرتے تھے۔ دوسرا گروہ منافقین یہود کا تھا۔ تیسرا گروہ ان پڑھ اور جہلاء کا تھا جو مولویوں اور پیروں کی بنائی ہوئی باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ چوتھا گروہ ان علماء یہود کا تھا جو تحریری طور پر تورات کی تحریف کرتے تھے۔ اور پانچواں گروہ ان صاحبزادگان کا تھا جو اپنے آباء و اجداد پر نازاں تھا۔ ۱۴۹ یہاں ہمزۂ استفہام انکار و توبیخ کے لئے اور خطاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہے مطلب یہ کہ آپ ان یہود سے یہ توقع نہ رکھیں کہ یہ ایمان لے آئیں گے کیونکہ ان کے اس وقت یہ پانچ گروہ ہیں اور ان سب کی خباثت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ان سے ایمان کی توقع بیکار ہے وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ اس فریق سے یہود کے وہ علماء مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے۔ المراد بالفریق من کان فی زمن محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام (کبیر ص۵۵۵ ج ۱) قال مجاھد الذین یحرفونہ والذین یکتمونہ ھم العلماء منھم (ابن کثیر ص۱۱۵ ج ۱) اور کلام اللہ سے مراد تورات ہے ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ یہود کے علماء اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی آخری

يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ

وہ مانیں تمہاری بات ۱۴۹ اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا

كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ

اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا

اور وہ جانتے تھے اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم

آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا

مسلمان ہوئے ۱۵۰ اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں

أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم

تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو

بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا

اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے ف کیا اتنا بھی نہیں

يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا

جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ

يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ

ظاہر کرتے ہیں ۱۵۱ اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں نہیں خبر رکھتے

الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

کتاب کی ۱۵۲ سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ

سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر

يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ

کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے ۱۵۳ تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول

النصف

۱ پہلی جماعت (محرفین) ۱۲

۲ دوسری جماعت (منافقین) ۱۲

۳ تیسری جماعت (ان پڑھ عوام جاہلین) ۱۲

۴ چوتھی جماعت (مال دنیوی کی خاطر احکام خداوندی کو تبدیل کرنے والے) ۱۲

موضح قرآن ف وہ جو ان میں منافق تھے خوشامد کے واسطے اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں کے پاس بیان کرتے اور وہ جو مخالف تھے ان کو اس پر الزام دیتے کہ اپنے علم میں سے ان کے ہاتھ سند کیوں دیتے ہو۔ ۱۲

رسول بھی اور تورات میں جس آخری پیغمبر کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں مگر جان بوجھکر وہ ان آیتوں میں تحریف کرتے جن میں آپ کے اوصاف مذکور ہوتے تھے۔ ان کی یہ تحریف کسی غلط فہمی پر مبنی نہ تھی بلکہ دیدہ و دانستہ تھی عمدوا الی ما انزل اللہ فی کتابھم من نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فحرفوہ عن مواضعہ (ابن کثیر ص۱۱۵ ج ۱) یہاں تحریف عام ہے لفظی اور معنوی دونوں کو شامل ہے۔ علماء یہود دونوں طرح کی تحریف کیا کرتے تھے کبھی تورات کی آیتوں کے الفاظ ہی تبدیل کر دیتے اور کبھی انکے مضمون کو اس طرح مسخ کر کے بیان کرتے کہ اصل مطلب سے انہیں کوئی تعلق ہی باقی نہ رہ جاتا۔ قرآن مجید کے الفاظ میں تو تحریف ناممکن ہے۔ البتہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے والے یہودیوں کے جانشین مولویوں اور پیروں کی آج امت محمدیہ میں بھی کمی نہیں۔ قرآن مجید کی معنوی تحریف کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔ پنجاب کے ایک پیر قرآن مجید کی ایک آیت اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے کہ یہاں اَنَا کی خبر محذوف ہے اصل میں یہ آیت یوں تھی انما انا انا بشر مثلکم یعنی میں تو میں ہوں اور بشر تمہاری طرح ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بڑے بڑے

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ
سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں سے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو
مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ
اپنی اس کمائی سے ۱۵۰ ف۱ اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر
اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا
چند روز گنے چنے ۱۵۱ کہدو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار
فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ
جو تم نہیں جانتے کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ ۱۵۲ اور
اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ۱۵۳ اور جو ایمان لائے اور عمل کئے
الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں
خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
ہمیشہ رہیں گے ف۲ اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے
لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ
کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی ۱۵۸ اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور
ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ
کنبہ والوں سے اور یتیموں سے اور محتاجوں سے ۱۵۹ اور کہیو سب لوگوں سے

ع ۹ / ۱۱ / ۹

منزل ۱

سے پہلی جماعت (پیر اور صاحبزادے) ۱۲

سے تحریف اخروی ۱۲

سے بشارت اخروی ۱۲

سے گروہ ثالث (موجودہ بنی اسرائیل کی خباثتیں) ۱۲

مولویوں اور پیروں کو یہ کہتے ہوئے سنیں گے کہ قرآن میں جہاں کہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یعنی غیر خدا کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے وہاں عبادت سے مراد بندگی ہے۔ غائبانہ دعا و پکار مراد نہیں۔ اسی طرح مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے مراد بت ہیں نہ کہ اللہ کے نیک بندے حالانکہ عبادت کے معنی صحیح حدیث میں پکار اور دعا رکھتے ہیں۔ نیز من دون اللہ سے خود قرآنی تصریحات کے مطابق کہیں انبیاء اور کہیں فرشتے مراد ہیں کہیں اولیاء اللہ اور کہیں جن مراد ہیں اور کہیں بت بھی مراد ہیں مگر یہ مولوی اور پیر اصل حقیقت کو جانتے ہوئے محض حقیر دنیا کی خاطر عوام کو اصل بات نہیں بتلاتے مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ ۱۵۰ یہ منافقین یہود کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ یعنی جب منافقین یہود ان یہودیوں سے ملتے جو منافق نہیں تھے۔ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ جب منافقین یہود مسلمانوں سے ملتے تو انہیں اپنے ایمان کا یقین دلاتے اور ان کی خوشامد کیلئے ان سے کہہ دیتے کہ حضور علیہ السلام کی صفات و نعوت تورات میں مذکور ہیں اور وہ تمام صفات آپ پر منطبق ہوتی ہیں لیکن یہ منافق اپنے لیڈروں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹ پلاتے کہ تم وہ اسرار مسلمانوں کو کیوں بتاتے ہو جو اللہ نے تم کو تورات میں بتائے ہیں ای تخبرون المؤمنین بما بینہ اللہ تعالٰی لکم خاصۃ من نعت نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح ص۲۹۹ ج ۱) لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ یعنی قیامت کے دن اللہ کے سامنے تمہارے ان اقراروں سے تم پر احتجاج کریں گے اس لئے تم عقل سے کام لو اور اس معاملے میں احتیاط برتو۔ ۱۵۱ یعنی اللہ تعالٰی ان کی ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کو جانتا ہے اگر ان کے منافقین مسلمانوں کو نہیں بتائیں گے تو اللہ تعالٰی بذریعہ وحی مسلمانوں کو بتا دیگا۔ فحینئذ یظھر اللہ تعالٰی للمؤمنین ما ارادوا اخفائہ بواسطۃ الوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیحصل المحاجۃ (ابو السعود ص۳۳۶) تو مسلمانوں کو پھر بھی احتجاج کا موقع مل جائے گا۔ ۱۵۲ یہ تیسرا گروہ ہے جاہل اور کندہ ناتراش مریدوں اور عقیدتمندوں کا کہ جو غلط سلط باتیں اپنے علماء اور فقراء سے سُن لیں بس انہیں کو دین سمجھ لیا۔ یہ خود تو تورات پڑھ نہیں سکتے تھے اس لئے سنی سنائی باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اِلَّآ اَمَانِيَّ من گھڑت قصوں جھوٹی آرزوؤں اور تمناؤں کے بغیر جو انہوں نے اپنے غلط کار اور محرّف علماء سے سن رکھی تھیں اور وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ الا اکاذیب اخذوھا تقلیدا من شیاطینھم المحرفین (روح ص۳۰۰ ج ۱) اکاذیب مختلقۃ سمعوھا من علمائھم فنقلوھا علی التقلید (بحر ص۲۷۵ ج ۱) وہ آرزوئیں اور تمنائیں کیا تھیں وہ بھی سن لیجئے علماء یہود نے عوام کو بتا رکھا تھا کہ اللہ تعالٰی ان سے گناہوں کا مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اور ہمارے آباء و اجداد یعنی انبیاء علیہم السلام انہیں بخشوا لیں گے۔ اور جنت ہمارے اور ہمارے مریدین ہی کے لئے ہے۔ اور اگر ہم میں سے کوئی دوزخ میں گیا بھی تو چند ہی دنوں کے لئے جائے گا۔ جس طرح آج کل کے بناوٹی پیروں نے اپنے مریدوں کو یہی کچھ سکھا رکھا ہے۔ چنانچہ ان کے مریدین علانیہ کہتے ہیں۔ ہمیں نماز روزے کی

موضح قرآن - ف۱ یہ وہ لوگ ہیں جو عوام کو انکی خوشی کے موافق باتیں جوڑ کر لکھ دیتے ہیں اور نسبت کرتے ہیں خدا یا رسول کی طرف ۱۲ ف۲ گھیر لیا گناہ نے یعنی گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا - ۱۲

فتح الرحمٰن - ف۱ مترجم گوید یکے از عقائد باطلہ یہود آں بود کہ می گفتند یہود دنیا باشند در دوزخ مگر روزے چند داین خطاء است زیرا کہ دخول جنت موقوف بر ایمان بخدا و روز قیامت و پیغمبر زمانیست چنبر مہرو غیر آں اعتبار ندارد و اشارت بہمیں معنی است دریں آیت ۱۲

ضرورت نہیں۔ ہم نے اپنا ہاتھ کامل پیر کے ہاتھ میں دے رکھا ہے وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں پل صراط سے پار کر دیں گے۔ اور اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے اور یہ بیچارے نمازی تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ ولانہم ان الله يعفو عنهم ويرحمهم ولا يؤاخذهم بخطاياهم لان اٰباءهم الانبياء يشفعون لهم (بحر ص۲۷۶ ج۱، روح ص۳۰۱ ج۱) وان الجنة لا يدخلها الا من كان هودًا وان النار لا تمسهم الا ايامًا معدودة (روح ص۳۰۲ ج۱) وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ مگر یہ سب ان کے اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ **۱۵۳** یہ چوتھا گروہ ہے اور یہ بھی ان کے خواص اور علماء ہی کی ایک جماعت ہے۔ انہوں نے یہ کیا کہ اپنی طرف سے تورات کے چند نسخے تیار کیے اور تورات میں جہاں کہیں توحید کا بیان تھا یا حضور علیہ السلام کا ذکر اور آپ کی نعت تھی اسے اس طرح بدل ڈالا کہ اصل سے اسے کوئی نسبت ہی نہ رہی۔ پھر اصل تورات کے نسخے چھپا ڈالے اور اپنے ہاتھوں سے تیار کیے ہوئے محرف نسخے اپنے عوام اور مشرکین عرب میں تقسیم کر دیئے اور کہتے یہ تھے کہ دیکھو یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں تو اس نبی کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی اس توحید کا بیان ہے جو وہ پیش کرتا ہے (روح ص۳۰۲ ج۱) اس جرم کی سنگینی اور ان بدکردار علماء کی تحقیر و تذلیل کے پیش نظر ان کا ذکر ویل و ہلاکت اور ذلت و رسوائی کی وعید شدید کے ساتھ کیا ہے۔ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط اس تحریف و تبدیل سے ان کا مقصد کوئی دین کی خدمت نہیں بلکہ محض دولت دنیا کی خاطر انہوں نے ایسا کیا۔ دولت دنیا خواہ ڈھیروں ہو مگر آخرت اور دین کے مقابلے میں وہ بالکل حقیر اور بے حقیقت ہے اس حقارت کے پیش نظر اسے قلیل فرمایا۔ **۱۵۴** یہ ماقبل کی تفصیل ہے پہلے وعید کا صرف اجمالی ذکر تھا اب اس کے ساتھ اس کی علت کا بھی ذکر ہے۔ اور لفظ ویل کے تکرار سے وعید میں شدت اور مبالغہ پیدا ہو گیا ہے۔ الفاء لتفصيل ما اجمل ما فيه من التنصيص بالعلة ولا يخفى ما في هذا الاجمال والتفصيل من المبالغة في الوعيد والزجر والتهويل (روح ص۳۰۳ ج۱) یعنی ان کی اس وعید کا سبب ان کی تحریف و تبدیل اور وہ حرام کمائی ہے جو وہ تحریف کے ذریعے کماتے ہیں **۱۵۵** یہ پانچواں گروہ صاحب زادگان کا ہے جنہوں نے مکر و فریب سے عوام کو یقین دلا رکھا تھا کہ وہ چونکہ اللہ کے پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ان کی نسل پاک ہستیوں سے چلی ہوئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر کوئی مواخذہ نہیں کرے گا اور بڑے بڑوں کی طفیل انہیں معاف کر دے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ دعویٰ نقل فرمایا ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ ع۳) اور اگر ہمیں سزا دی بھی گئی تو وہ محض معمولی سی اور چند دنوں کیلئے ہوگی قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا ۔ یہ یہودیوں کے مذکورہ دعویٰ کی تردید ہے یعنی جہنم سے محفوظ رہنے کیلئے تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہوا ہے جس کی بنا پر وہ تمہیں اس سے محفوظ رکھے گا یعنی اگر اس نے ایسا عہد کیا ہوا ہے تو پھر تو وہ یقیناً اسے پورا کرے گا مگر یہ ظاہر ہے کہ اللہ نے تم سے ایسا کوئی عہد نہیں کیا۔ یا عہد سے مراد عہد توحید ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر کے اللہ سے توحید کا عہد کر لیا ہے کیونکہ جس نے اللہ سے توحید کا عہد کیا ہوا ہے اللہ نے بھی اسے جہنم سے بچانے کا عہد کیا ہوا ہے۔ قال ابن مسعود عهدًا بالتوحيد يدل عليه قوله تعالى الا من اتخذ عند الرحمن عهدًا يعني قول لا اله الا الله (معالم ص۶۶ ج۱) وروى عن ابن عباس رضي الله عنهما ان معنى الاٰية هل قلتم لا اله الا الله واٰمنتم واطعتم (روح ص۳۰۳ ج۱) **۱۵۶** بلیٰ حرف استدراک ہے ماقبل کی نفی اور مابعد کا اثبات کرتا ہے۔ وبلى وبل حرفا استدراك ومعناهما نفي الخبر الماضي واثبات الخبر المستقبل (معالم ص۶۶ ج۱) یہ بھی یہودیوں کے غلط دعووں اور ان کی جھوٹی آرزوؤں کی تردید ہے یعنی جیسا تم نے سمجھ رکھا ہے اور دل میں کئی امیدیں اور آرزوئیں پال رکھی ہیں ایسا نہیں بلکہ ہر بدکردار کو خواہ وہ کوئی ہو اس کے بداعمال کی ضرور سزا ملے گی۔ يقول الله تعالى ليس الامر كما تمنيتم ولا كما تشتهون بل الامر من عمل سيئة واحاطت به خطيئته ..... فهذا من اهل النار (ابن کثیر ص۱۱۹ ج۱) اور سیئۃ سے یہاں کفر و شرک مراد ہے۔ وذهب كثير من السلف الى انها ههنا الكفر (روح ص۳۰۴ ج۱) سيئة شركا عن ابن عباس ومجاهد وغيرهما رضي الله عنهم (مدارک ص۶۲ ج۱) اور ممکن ہے کہ سیئہ سے مراد مطلق معصیت ہو جو سب کو شامل ہو۔ واحاطت به خطيئته اور گناہوں نے اسے گھیر لیا ہو یہاں تک کہ اس پر نیکی کی تمام راہیں بند کر دی ہوں اور اس پر گناہوں کا اس قدر غلبہ ہو کہ اس کے پلے کوئی نیکی نہ ہو یہاں تک کہ ایمان بھی مفقود ہو۔ لہٰذا اس صورت میں یہ آیت مومنین کو شامل نہ ہو گی۔ بلکہ صرف مشرکین اور کفار ہی سے متعلق ہو گی لہٰذا معتزلہ اور خوارج کا اس آیت سے استدلال کہ مومن عاصی مخلد فی النار ہو گا باطل ہو گیا۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور خلود سے یہاں دوام مراد ہے۔ **۱۵۷** کفار و مشرکین کی وعید کے بعد یہاں مومنین صالحین کے لئے خلود فی الجنۃ کی خوشخبری بیان کی ہے اور یہاں بھی خلود سے مراد دوام ہے۔ امام سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو لطیف نکتے بیان فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ عمل کا عطف ایمان پر اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ایمان کی حقیقت سے خارج ہے اور اس کا جزء نہیں کیونکہ جزء کا عطف کل پر نہیں ہو سکتا۔ دوم یہ کہ اصحاب نار کی وعید بیان کرتے وقت حرف فاء استعمال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مابعد ماقبل پر مرتب اور اس کا نتیجہ ہے لیکن اصحاب جنت کو خلود فی الجنۃ کی خوشخبری سناتے ہوئے حرف فاء استعمال نہیں فرمایا تو اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل نار کا خلود فی النار ان کے اعمال سیئہ کا نتیجہ ہے اور اہل جنت کا خلود فی الجنۃ محض اللہ کی مہربانی اور اس کے لطف و کرم سے ہے (روح ص۳۰۴ ج۱) یہاں تک نوع ثانی ختم ہوئی۔

نوع ثالث

اس میں نزول قرآن کے وقت موجود بنی اسرائیل کی خباثتیں اور شرارتیں بیان کی گئی ہیں یعنی ضد و عناد اور عدوان و عصیان کوئی تمہارے اسلاف ہی میں منحصر نہیں تھا تم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔ یعنی جو احکام تورات میں تم تمام بنی اسرائیل کو دیئے گئے تھے اور جو عہود تم سے لئے گئے تھے تمہارے اسلاف نے ان احکام کو ٹھکرایا اور ان عہود کو توڑا اب تم بھی اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے سرتابی کر رہے ہو اور اس کے عہود و مواثیق کو پاش پاش کر رہے ہو۔ **۱۵۸** یہ موجودہ بنی اسرائیل کی پہلی خباثت ہے۔ بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے تورات میں ان احکام کی پابندی کا عہد لیا گیا تھا۔ سب سے پہلا عہد جو ان سے لیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اسی کو کارساز اور مالک و مختار سمجھیں اور اسے ہی حاجات میں پکاریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ توحید چونکہ حق اللہ ہے اور تمام اعمال کی روح و جان ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ لَا تَعْبُدُوْنَ بظاہر خبر ہے لیکن معنیٰ کے لحاظ سے امر ہے اور یہ تعبیر اس لئے اختیار کی کہ امر بصورت خبر زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ قال الزمخشري خبر بمعنى الطلب وهو اٰكد (ابن کثیر ص۱۱۹ ج۱) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا درجہ ہے اور ان میں پھر والدین کے حقوق سب پر مقدم ہیں اس لئے حق اللہ کے بعد ماں باپ سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں کئی جگہ توحید کے ساتھ ساتھ والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وبالوالدین لا تعبدون پر معطوف ہے۔ اور اس کا متعلق تُحْسِنُوْنَ محذوف ہے اور احسانًا اس فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ کے بعد والدین کے حقوق کما حقہٗ ادا کرو۔ والدین کے حقوق بہت ہیں مثلاً ان کا اکرام و احترام کرنا، ان کے جائز احکام کی تعمیل کرنا، ادب سے اور نرمی سے باتیں کرنا، ان کی مالی اعانت کرنا وغیرہ۔ والدین کے یہ حقوق بہرحال لازم ہیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں اگر والدین مشرک ہوں اور شرک کرنے پر مجبور کریں تو اس معاملہ میں ان کی اطاعت جائز نہیں البتہ ان سے حسن سلوک فرض ہے۔ **۱۵۹** ان سب کا عطف الوالدین پر ہے۔ والدین کے بعد رشتہ داروں یتیموں اور غریبوں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔ یہاں حسن سلوک سے مراد ان کی مالی اعانت ہے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ط اور بنی اسرائیل سے اس امر کا عہد لیا گیا تھا کہ وہ تمام لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آئیں حسنًا قولًا محذوف کی صفت ہے۔ ای قولوا للناس قولًا حسنًا اور حسنًا کو بطور مبالغہ قولًا پر محمول کیا گیا ہے یعنی لوگوں سے ایسی گفتگو کرو جو سراپا حسن اخلاق ہو وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ بنی اسرائیل سے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا عہد بھی لیا گیا تھا۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ سے وہی نماز و زکوٰۃ مراد ہے جو بنی اسرائیل پر فرض تھی۔ **۱۶۰** لیکن تم نے یہ عہد پورا نہ کیا بلکہ ان احکام سے روگردانی کی، توحید کو چھوڑ دیا اور شرک

اختیار کرلیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام اور اپنے دوسرے بزرگوں کو خدا کے نائب اور کارساز مانا۔ انسانی حقوق پامال کئے۔ نماز و زکوٰۃ سے لاپرواہی کی اور تم میں سے بہت تھوڑے اس عہد پر قائم رہے۔ وَ اَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ۔ یہ اعراض اور عہد شکنی تم سے کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے تمہاری عادتِ قدیمہ ہی یہی ہے۔ تمہارے آباء و اجداد کا بھی یہی شیوہ تھا۔ اب تمہارا دستور بھی یہی ہے ای وانتم قوم عادتکم الاعراض والتولی عن المواثیق (روح صلا۳ ج ۱) آج اگر دیکھا جائے تو بنی اسرائیل کے یہ تمام حالات مسلمانوں میں بھی پیدا ہو چکے ہیں جس طرح وہ اللہ کے نبیوں اور ولیوں کو خدا کا شریک بناتے اور پکارتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حدیں توڑتے تھے بالکل اسی طرح آج اہل اسلام بھی کر رہے ہیں۔ ۱۶۱ یہ دوسری خباثت ہے۔ بنی اسرائیل سے تورات میں یہ بھی عہد لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں اتفاق سے رہیں اور خانہ جنگیوں سے اجتناب کریں اپنے کسی بھائی کو اس کے گھر سے نہ نکالیں اور نہ ہی کسی کو قتل کریں۔ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ۔ اور تم نسلاً بعد نسلٍ اس عہد و پیمان کا اقرار کرتے چلے آئے ہو اور آج بھی تم معترف ہو

حُسۡنًا وَّ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا

نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰت پھر تم پھر گئے مگر

قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا

تھوڑے سے تم میں ۱۶۰ اور تم ہو ہی پھرنے والے اور جب لیا ہم نے

مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ

وعدہ تمہارا کہ نہ کروگے خون آپس میں اور نہ نکال دوگے

اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ

اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم

تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ

مانتے ہو ۱۶۱ پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو

اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ

آپس میں ۱۶۲ اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے ۱۶۳

تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ

چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے ۱۶۴ اور اگر

يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ

وہی آدیں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلہ دیکر چھڑاتے ہو ۱۶۵ حالانکہ حرام ہے تم پر

اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَ

ان کا نکال دینا بھی تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور

تَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ

نہیں مانتے بعض کو سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام

مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ

کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں ۱۶۶ اور قیامت کے دن

۱۔ پہلی خباثت

۲۔ دوسری خباثت

کہ تم نے اس عہد کا اقرار کیا اور اسے قبول کیا۔ ۱۶۲ یہاں سے اسرائیلیوں کی عہد شکنی کا بیان ہے۔ یعنی تمہیں خانہ جنگی سے منع کیا تھا مگر تم پختہ اقرار کے باوجود باز نہ رہے اور اپنے بھائی بندوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آرہے تھے۔ مدینہ میں اور اس کے گردو نواح کی بستیوں میں یہودی بھی ایک اقلیت کی حیثیت سے آباد تھے اور ان کے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر مشہور تھے۔ اقلیت کو ہمیشہ دوسروں کے سہارے جینا پڑتا ہے اس لئے بنی قریظہ نے قبیلہ اوس سے معاہدہ کرلیا اور بنی نضیر قبیلہ خزرج کے حلیف بن گئے۔ اوس اور خزرج کے درمیان آئے دن خونریز لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اس لئے ان کے معاہد یہودیوں کو بھی اپنے اپنے حلیف قبیلہ سے مل کر ان لڑائیوں میں حصہ لینا پڑتا تھا اور اس طرح ایک طرف کے یہودیوں کے ہاتھوں دوسری طرف کے کئی یہودی قتل ہوجاتے تھے۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۶۳ مذکورہ جنگ وجدال اور قتل و غارت کے دوران فریقین میں سے کئی خاندانوں کو اپنے گھر چھوڑ کر بے خانماں ہونا پڑتا۔ ہر فریق کی اپنے گھروں سے بے دخلی کا سبب دوسرے فریق کے یہودی بنتے کیونکہ یہودیوں کا ایک فریق اپنے حلیف کافروں سے مل کر فریق ثانی کے حلیف یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتا۔ اس لئے اخراج کو ان کی طرف منسوب کیا۔ ۱۶۴ تظاہرون اصل میں تتظاہرون تھا ایک تا بغرض تخفیف حذف کردی گئی ہے اور یہ تخرجون کی ضمیر سے حال ہے۔ علیھم میں ھم ضمیر فریقًا کی طرف راجع ہے جو معنیً جمع ہے۔ اثم سے مراد خدا کی نافرمانی اور عدوان سے مراد ظلم ہے۔ بالاثم والعدوان بالمعصیۃ والظلم (معالم صـ۶ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ تم اپنے بھائیوں کے خلاف غیر اقوام کی مدد کرتے ہو اور یہ مدد بھی کسی نیک اور تعمیری کام کے لئے نہیں ہوتی۔ اس میں ایک طرف تو تم خدا کی نافرمانی کرتے ہو کیونکہ اس نے تمہیں اپنے بھائی بندوں کے قتل اور اخراج سے منع کیا ہے اور دوسری طرف قتل و اخراج کے ذریعے اپنے بھائیوں پر ظلم کرتے اور ان کی حق تلفی کرتے

ہو۔ ۱۶۵ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ یہودیوں کے ایک فریق کے آدمی دوسرے فریق کے ہاتھوں قید ہوجاتے تو یہ لوگ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو وہ لوگ کہتے کہ خدا نے ہمیں فدیہ دیکر قیدیوں کو چھڑا لینے کا حکم دیا ہے ہم اس لئے ایسا کرتے ہیں۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ یہ جملہ بھی تخرجون کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی فدیہ دیکر قیدی کو چھوڑنے کے حکم پر تو تم عمل کرتے ہو مگر اپنے بھائیوں کو ان کے گھروں سے نکالتے وقت یہ خیال نہیں کرتے ہو کہ ایسا کرنا تم پر حرام ہے۔ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ؕ استفہام تہدید اور دھمکی کے طور پر ہے اور الکتاب سے مراد تورات ہے کیونکہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے یعنی تم نے تورات کے ایک حصے کو مان لیا اور ایک حصہ کو ٹھکرا دیا فدیہ دینے کے حکم پر عمل کرلیا اور قتل و اخراج سے نہی کی پرواہ نہ کی۔ ۱۶۶ خدا کے بعض حکموں کو ماننا اور بعض کو رد کر دینا یہ بہت بڑا جرم ہے اور خدائی احکام کے ساتھ ایک قسم کا تمسخر اور استہزاء ہے اس آیت میں اس جرم کی سزا بیان فرمائی ہے کہ تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا وہ دنیا و آخرت میں مغضوب اور مقہور ہوگا۔ دنیا میں ذلت و رسوائی کے سوا اسے کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ یہودیوں کا یہی حشر ہوا کہ اس کے چند ہی سال بعد بنی نضیر کو ذلت و خواری سے جلاوطن کیا گیا اور بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو

غلام بنایا گیا۔ ۱۶۷ اور قیامت کے دن انہیں بہت ہی سخت عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔ اشد العذاب سے مراد جہنم کا ابدی عذاب ہے اور وہ سب سے سخت اس لحاظ سے ہوگا کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوگا والمراد به
الخلود فی النار دوا شد یته من حیث انه لا انقضاء له (روح ص۳۱۷ ج ۱) ۱۶۸ یہ گذشتہ وعید کے لئے ایک قسم کی تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ گھات میں ہے۔ وہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں وہ تمہارے اعمال
کی تم کو پوری پوری سزا دیگا۔ ان آیتوں کے مخاطب وہ بنی اسرائیل ہیں جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے لیکن اب پوری امت محمدیہ بھی ان احکام کی مخاطب اور مکلف ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ سے منقول ہے۔ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال ان بنی اسرائیل قد مضوا وانتم تعنون بهذا یا امة محمد وبما یجری مجراه (روح ص۳۱۸ ج ۱) ۱۶۹ ان لوگوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی حالانکہ آخرت
حاصل کرنیکا پورا پورا سامان ان کے پاس موجود تھا۔ خدا کی کتاب تورات ان کے پاس موجود تھی مگر انہوں نے اس پر عمل کر کے سامانِ آخرت تیار کرنیکے بجائے اسے دُنیا حاصل کرنیکا ذریعہ بنایا۔ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

یُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں ۱۶۷ اور اللہ بے خبر نہیں
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ
تمہارے کاموں سے ۱۶۸ ف۱ فـ۱ یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی
الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
آخرت کے بدلے ۱۶۹ سو نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
اور نہ ان کو مدد پہنچے گی اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب ۱۷۰
وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ
اور پے در پے بھیجے اسکے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ
مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط
مریم کے بیٹے کو معجزے صریح ۱۷۱ اور قوت دی اس کو روح پاک سے
اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ
پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو
اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا
تو تم تکبر کرنے لگے ۱۷۲ پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو
تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ
تم نے قتل کر دیا ۱۷۳ ف۲ اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی
اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا
اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں ۱۷۴ اور جب
جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے ۱۷۵ جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو

ع ۱۰

ان کے عذاب میں قطعاً کوئی تخفیف نہیں ہوگی نہ دنیوی سزا میں نہ اخروی میں وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ہ فعل مجہول لا کر اور فاعل کا ذکر نہ کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مذکورہ عذاب سے بچانے کے لئے انہیں کسی طرف سے کسی قسم کی مدد نہیں پہنچے گی نہ دولتِ دنیا کے ذریعے انہیں عذاب سے چھڑا جاسکے گا، نہ ان کے اسلاف کی وجاہت اور بزرگی کام آسکے گی اور نہ ہی انہیں اپنے ان بزرگوں کی سفارش اور کارسازی سے نجات مل سکیگی، جن کو انہوں نے خدا کے نائب اور کارساز سمجھ رکھا۔ یہ بات کوئی بنی اسرائیل ہی سے مخصوص نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا ایک عالمگیر اور اٹل قانون ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے اور اس کی طرف سے آنیوالی تکلیفوں سے کسی کو کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔

نوع رابع

اس میں بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کی انتہائی کج روی اور سنگدلی کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اول تکذیبِ رسل، دوم قتلِ انبیاء، یعنی احکام کا ماننا نہ ماننا ایک طرف رہا تمہارے اسلاف کی کج روی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خدا کے احکام لانے والے اس کے پیغمبروں کی تکذیب کی اور سرے سے انہیں مانا ہی نہیں اور پھر تکذیب ہی پر بس نہیں کی بلکہ بعض انبیاء علیہم السلام کو تو وہ سنگدل قتل کرنے سے بھی نہ چوکے۔ ۱۷۰ تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لئے حضرت موسیٰ ع کو شریعت کا ایک دستور دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا حکم دیا گیا۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے احکام دیئے گئے۔ الکتٰب سے تورات مراد ہے۔ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں تمہیں تورات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد بھی انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری رکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہزاروں کی تعداد میں پیغمبر بھیجے دکانوا الی زمن عیسی علیه السلام اربعة آلاف (روح ص۳۱۶ ج ۱) بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں مثلاً حضرات یوشع، شمعون، داؤد، سلیمان، عزیر، حزقیل، الیاس، یونس، زکریا اور یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ ۱۷۱ البیّنات یعنی واضح اور کھلے دلائل، اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور مادر زاد اندھے کو تندرست کرنا وغیرہ یا البیّنات سے انجیل مراد ہے کیونکہ اس کی آیتیں بھی رُشد و ہدایت کی واضح نشانیاں تھیں۔ المعجزات الواضحات من احیاء الموتٰی وابراء الاکمه والابرص والاخبار بالمغیبات او الانجیل (ابو السعود ص۶۱۲ ج ۱) قرآن مجید میں کسی پیغمبر کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے ذکر نہیں کیا گیا البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اکثر والدہ کی نسبت سے ذکر کیا گیا ہے اس میں ایک طرف تو ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

موضح قرآن ف۱ یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ پھنسے تو چھوڑانے کو موجود ہوتے ہو اور آپ ان کے ستانے میں قصور نہیں کرتے اور خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ چلو۔ ف۲ روح القدس کہتے ہیں حضرت جبریلؑ کو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے۔

فتح الرحمٰن ف۱ منع کردہ شدند از کشتن و جلا وطن کردن و در ظلم مددگاری نمودن و فرمودہ شدند بفداء اسیران و ایشاں از ہمہ احکام بفداء اسیران عمل کردند بس زیرا کہ موافق نفس ایشاں افتاد دریں طاعت نفس است طاعت خدا نیست ۱۲

کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں۔ اگر ان کا کوئی باپ ہوتا تو انہیں اس کی طرف منسوب کیا جاتا نہ کہ والدہ کی طرف، دوسری طرف ان عیسائیوں کی تردید ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں فرمایا وہ نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا یا جزو، بلکہ وہ ایک انسان اور بشر ہے۔ اور ایک عورت کا بیٹا ہے۔ ہاں اپنی پیغمبرانہ عظمت وشان کے لحاظ سے خدا کا محبوب اور مقرب پیغمبر ہے۔ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ روح قدس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور روح القدس سے تائید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے نفخہ سے ان کا حمل قرار پایا، ولادت کے وقت ان کی موجودگی کی وجہ سے شیطان کے اثر سے محفوظ رہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام جہاں جاتے روح القدس ساتھ ہوتے۔ اسی طرح یہودیوں کی سازشِ قتل سے ان کو بچایا۔ یہ روح القدس سے تائید بھی ایک معجزہ تھا یہاں بھی واضح فرما دیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام باوجود علوِ مرتبت اور صاحب عزم پیغمبر ہونے کے ہماری تائید اور تقویت کے محتاج تھے جب وہ خود محتاج تھے تو اوروں کی کیا مدد کریں گے۔ **۲۷۲ف** تمہیں سمجھانے کے لئے ہم نے ہزاروں پیغمبر بھیجے۔ تورات وانجیل میں واضح دلائل کے ساتھ تمہیں مسئلہ توحید سمجھایا، تمہارے اطمینانِ قلب کی خاطر پیغمبروں نے معجزے دکھائے مگر اس کے باوجود جب بھی کوئی پیغمبر دعوت توحید لیکر آیا اور خدا کی طرف سے دوسرے احکام تمہیں دیئے جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں ہوتے تھے تو تم نے فوراً ان کا انکار کیا اور غرور سے انکو حقیر سمجھا اور تمہارا یہ رویہ کسی ایک پیغمبر کے ساتھ نہیں تھا بلکہ تم نے ہر پیغمبر کی آمد پر یہی کچھ کیا۔ **۲۷۳ف** خدا کا ہر پیغمبر پیغامِ توحید لیکر آیا اور پیغامِ توحید جھوٹے پیروں غلط کار مولویوں، دنیا پرست سرمایہ داروں اور رئیسوں کے لئے پیغامِ موت ہے کیونکہ پیغامِ توحید کو ماننے سے نذریں نیازیں جاتی ہیں، عوام پر سے بناوٹی تقدس اور مصنوعی اقتدار کا اثر باطل ہو جاتا ہے یہودیوں میں یہ طبقے موجود تھے اس لئے جب بھی کوئی پیغمبر آتا یہ لوگ اس کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے اور ڈٹ کر اس کی مخالفت اور تکذیب کرتے۔ اور اگر موقع مل جاتا تو اسے قتل کر ڈالتے یہ ان کی انتہائی خباثت اور سنگدلی تھی (کبیر بتغیر یسیر) **۲۷۴ف** یہ نوع رابع کا تتمہ ہے۔ اور موجودہ یہودیوں کا مقولہ ہے۔ غُلْفٌ اغلف کی جمع ہے اور اغلف سے کہتے ہیں جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو۔ مطلب یہ کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے تمہاری دعوت اور وعظ و تبلیغ کا اثر ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت ابن عباسؓ کی قراءت میں یہ لفظ غُلُفٌ ہے جو غلاف کی جمع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے دل تو پہلے ہی سے علم وحکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کے علوم کی ضرورت نہیں۔ قال ابن عباس ای قلوبنا ممتلئة علما لا تحتاج الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا غیرہ (قرطبی ص۲۵ ج۱) بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ۔ بَلْ اضراب کے لئے ہے یعنی ایمان سے ان کی نفرت کی وجہ وہ نہیں جو انہوں نے بیان کی ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے مسلسل انکار اور ضد و عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں راندۂ درگاہ کر دیا ہے۔ انہیں اپنی رحمت سے دور کر کے ان سے ایمان کی توفیق چھین لی ہے۔ اس سے مراد ہر جبار ہے فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۔ قلیلاً مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ اور مَا معنیٰ قلت کی تاکید کیلئے ہے (روح ص۳۱۹ ج۱) مطلب یہ ہے کہ وہ بہت ہی تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔ اس تھوڑے سے ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو وہ بعض چیزوں پر لاتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے افتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض۔ یا یہاں قلت عدم پر محمول ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ملعون و مقہور ہونے کی وجہ سے وہ ذرا ایمان نہیں لائیں گے۔ معناہ لا یؤمنون اصلا لا قلیلا ولا کثیرا (کبیر ص۶۱۲ ج۱)

مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ
جو ان کے پاس ہے اور پہلے (سے اس بارے میں) بتایا کرتے تھے
كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ
کافروں کو پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے **۲۷۱ف**
فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ
سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر **ف** بری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے
اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ
اپنے آپ کو **۲۷۲ف** کہ منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ
يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ
اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے
فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
سو کما لائے غصہ پر غصہ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے
مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
ذلت کا اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو
قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا
کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اترا ہے ہم پر **ف** اور نہیں مانتے اس کو جو
وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ
سوا اسکے ہے حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے کہدو
فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ
پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
ایمان رکھتے تھے **۲۷۳ف** اور آ چکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر **۲۷۴ف**

موضح قرآن **ف** جب غلبہ کافروں کا دیکھتے تو دعا مانگتے کہ نبی آخر الزمان شتاب پیدا ہو، جب پیدا ہوا تو آپ ہی منکر ہوئے۔

فتح الرحمٰن **ف** تعریض است بآں قصہ کہ یہود خیبر با غطفان جنگ می کردند و ہزیمت می یافتند آخر دعا کردند بحق محمد نبی امی کہ خروج او در آخر الزمان موعود است ما را نصرت دہ بعد ازاں فتح یافتند ۱۲

نوعِ خامس

نوعِ رابع میں یہودیوں کے اسلاف کی کج روی اور سنگدلی کا نمونہ پیش کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی تلقین و تبلیغ معجزات انبیاء علیہم السلام اور تورات و انجیل کی آیات بینات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب یہاں موجودہ یہودیوں کی کج روی اور شرارت کا ذکر ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ رُشد و ہدایت کے مذکورہ دلائل اور افہام و تفہیم کے معتبر ذرائع کی موجودگی میں کفر و انکار کے ساتھ ساتھ ان کے خبثِ باطن کا یہ حال ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور قرآن کے نزول سے قبل یہ لوگ ان دونوں کو مانتے تھے مگر جب ان کی جانی پہچانی ہوئی یہ چیزیں سامنے آئیں تو بغض و حسد اور ضد و عناد کی وجہ سے دونوں کا انکار کر دیا۔ ف۱۷۵ کتاب سے مراد قرآن ہے اور تنوین اظہارِ عظمت کیلئے ہے۔ ھو القرآن وتنکیرہ للتفخیم (ابو السعود) مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ لا ـــــ مَا مَعَهُمْ سے مراد تورات ہے یعنی قرآن مسئلہ توحید میں، تردید شرک میں، نبوت میں اور دیگر کئی احکام میں تورات کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔ قرآن کی صداقت کی ایک دلیل تو یہ ہوئی وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ یہاں یستفتحون بمعنی یفتحون ہے کیونکہ باب استفعال کی ایک خصوصیت موافقت مجرد ہے جیسے استقر بھی بمعنی قر ہے اور فتح کے معنی بتلانے اور ظاہر دینے کے بھی آتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے من قولھم فتح علیہ اذا علمہ ووقفہ کما فی قولہ تعالیٰ۔ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ (روح ص۳۲۰ ج ۱) یعنی یہی یہودی اس سے پہلے کفار اور مشرکین کو بتایا کرتے تھے۔ عرب میں جو آخری نبی پیدا ہونے والا ہے اس کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور اس نبی پر اللہ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوگی۔ ای یعرفون المشرکین ان نبیا یبعث منھم وقد قرب زمانہ (روح ص۳۲۰ ج ۱، بحر ص۳۰۳ ج ۱) یہ قرآن اور حضور کی صداقت پر دوسری دلیل ہے۔ ف۱۷۶ جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب آ گئی اور خدا کا وہ رسول بھی آ گیا جن کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے تو انہوں نے محض بغض و حسد اور ضد و عناد کی وجہ سے اور اپنے تقدس و اقتدار کی حفاظت اور حرص دنیا کی خاطر ان دونوں کا انکار کر دیا۔ بغیا وحسدا وحرصا علی الریاسۃ (مدارک ص۵۴ ج ۱) كَفَرُوا لَمَّا اولیٰ کا جواب ہے اور لَمَّا ثانیہ اولیٰ کی تاکید ہے یا لَمَّا اولیٰ کا جواب محذوف ہے اور یہ لَمَّا ثانیہ کا جواب ہے فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ان کافروں کے لئے کفر و انکار کی وجہ سے خدا کی رحمت سے دوری ہے۔ نہ دنیا میں ایمان کی توفیق نصیب ہوگی نہ آخرت میں نجات نصیب ہوگی۔ ف۱۷۷ یہاں اشتراء کے معنے بیچنے کے ہیں یعنی جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانیں بیچ دی ہیں اور جس کام کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ بہت بُرا ہے۔ یہ نوع خامس کا تتمہ ہے۔ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ یہ بئس کا مخصوص بالذم ہے یعنی جس بُرے کام کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ آیات بینات کا کفر و انکار ہے اور مَا أَنزَلَ اللَّهُ سے مراد قرآن ہے جس کا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ کے الفاظ میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ والمراد بما انزل اللہ کتب مصدق (روح ص۳۲۲ ج ۱) بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ ـــــ بَغْيًا أَن يَكْفُرُوا کا مفعول لہ ہے اور ان کے کفر و انکار کی علت بیان کر رہا ہے اور مِن فَضْلِهِ سے وحی مراد ہے۔ اور مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب نے قرآن کا انکار کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں کیا وہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کو اچھی طرح جانتے ہیں اور انکار محض بغض و حسد کی بنا پر کر رہے ہیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آخری نبی بھی ہمارے خاندان بنی اسرائیل ہی میں سے ہوگا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ تو بنی اسمٰعیل میں پیدا ہو گیا ہے تو حسد کرنے لگے کہ بنی اسمٰعیل کے پیغمبر پر کیوں وحی نازل ہوئی ہے۔ ای انھم ظنوا ان ھذا الفضل العظیم بالنبوۃ المنتظرۃ یحصل فی قومھم فلما وجد فی العرب حملھم ذلک علی البغی والحسد (کبیر ص۶۲۰ ج ۱) یعنی وہ دوہرے غضب کے مستحق ہو گئے ایک غضب تو توحید کو چھوڑ کر شرک کرنے اور گوسالہ پرستی کی وجہ سے نازل ہوا، اور دوسرا غضب آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کی وجہ سے وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ اور ان کافروں کے لئے ایسا عذاب تیار ہے جو ان کے بغض و عناد اور کبر و غرور کو توڑ کر انہیں ذلیل و خوار کر دے گا۔ اب آگے یہود کے دعوائے ایمان کی تردید و تکذیب ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے پانچ دلیلیں قائم فرمائی ہیں۔

یہود کے ایک قولِ باطل کی تردید

یہاں تک افہام و تفہیم اور تبلیغ و ارشاد کے تمام ذرائع اور طریقے استعمال کرنے کے بعد آگے یہودیوں کی انتہائی ضد اور ہٹ دھرمی کا شکوہ کیا جا رہا ہے اور ان کی غلط بیانی کا مسکت جواب دیا جا رہا ہے۔ ف۱۷۸ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کتاب اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو خدا کی کتاب کو مانتے ہیں ہم کب اس کا انکار کرتے ہیں؟ مگر صرف اس کو جو ہم پر نازل ہوئی۔ یعنی ہم تو صرف اپنی کتاب تورات کو مانتے ہیں اس کے سوا کسی اور کتاب کو نہیں مانیں گے۔ وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ یہ قَالُوا پر معطوف اور یہ قول یہود کے لئے بطور تتمہ لایا گیا ہے وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ یہ یہود کے کذبِ دعویٰ کی پہلی اور دوسری دلیل ہے اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو قرآن پر ضرور ایمان لاتے۔ کیونکہ قرآن خود تعلیماتِ حقہ کا حامل اور اصولِ دین میں پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن ان کی ضد اور عصبیت کی حد یہ ہے کہ قرآن باوجودیکہ حق ہے اور پھر قرآن کوئی نئی اور غیر مانوس بات بھی پیش نہیں کرتا بلکہ وہ وہی دعوتِ توحید پیش کرتا ہے جو ان کی تورات میں موجود ہے مگر چونکہ یہ قرآن ان کی قوم کے کسی آدمی پر نازل نہیں ہوا اس لئے وہ اسے نہیں مانتے۔ ف۱۷۹ یہ یہودیوں کے دعوٰی ایمان میں جھوٹے ہونے کی تیسری دلیل ہے یعنی تمہارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء کو مانتے ہو۔ نیز اس وحی اور کتاب کو مانتے ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے اگر تمہارا اپنی قوم کے انبیاء اور اپنی کتاب پر ایمان ہوتا تو تم نے اللہ کے پیغمبروں کو کیوں قتل کیا ہوتا؟ کیونکہ تورات تو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بلکہ وہ تو انبیاء علیہم السلام کے اتباع کا حکم دیتی ہے۔ اس سے یہودیوں کے ایمان بالانبیاء اور ایمان بالنبوۃ کے دعویٰ کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ ف۱۸۰ یہ یہودیوں کے کذبِ دعویٰ کی چوتھی دلیل ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس توحیدِ باری کے واضح دلائل لیکر آئے کہ اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت اور پکار کے لائق نہیں۔ الاظھر ان یراد بہا الدلائل الدالۃ علی الوحدانیۃ فانہ ادخل فی التفریع بما بعد (روح ص۳۲۵ ج ۱) ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ ـــــ بَعْدِہٖ کی ضمیر کا مرجع جملۂ ماقبل کا مضمون ہے۔ ای بعد مجیئ موسیٰ علیہ السلام بہا (روح ص۳۲۵ ج ۱) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توحید کے دلائل واضحہ کے ساتھ آمد کے بعد تم نے گوسالہ کو معبود اور کارساز بنا لیا۔ اور اس کی نذریں اور منتیں دینا شروع کر دیا۔ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ۔ اور اس شرک اور گوسالہ پرستی کی وجہ سے اس سے ان کے دعوائے توحید کا پول اور کذب ظاہر ہو گیا۔ ف۱۸۱ یہ یہودیوں کے کذبِ دعویٰ کی پانچویں دلیل ہے یعنی تورات کو بھی تم نے ہرگز نہیں مانا جب تورات تمہارے سامنے پیش کی گئی تو تم نے اسے ماننے اور اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ تورات کو منوانے کے لئے ہم نے کوہِ طور کو اٹھا کر تمہارے سروں پر کھڑا کیا، تمہارے سروں پر پہاڑ کھڑا کر کے تمہیں یہ حکم دیا گیا تورات کے احکام کو قبول کرو اور ان پر مضبوطی سے عمل کرو۔ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا تو ان ظالموں نے زبان سے تو ماننے کا اقرار کر لیا لیکن عملی طور پر نافرمانی کی اور اسے نہ مانا۔ یا واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا دونوں باتیں انہوں نے مختلف اوقات میں کہی تھیں سَمِعْنَا تو اس وقت کہا جب پہاڑ ان کے سر پر لا کر کھڑا کیا گیا اور عصینا اس وقت کہا جب پہاڑ ہٹا دیا گیا۔

۱۸۲ یہ لوگ تورات پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ کفر و شرک سے انہیں خاص انس رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سامری کے گوسالہ کی محبت ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور شرک و بت
پرستی کی محبت ان کے رگ و پے میں اس طرح جاری و ساری تھی جس طرح کپڑے میں رنگ اور جسم کی گہرائیوں میں پانی سرایت کر جاتا ہے۔ کما ینداخل الصبغ الثوب والشراب اعماق البدن (بیضاوی ۱۰۳) اس
گوسالہ پرستی کی گہری محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے اس میں پس و پیش کیا تو کیا تورات شرک اور بت پرستی کی اجازت دیتی ہے؟ ۱۸۳ اگر واقعی تم مومن ہو تو بھلا ایمان ہے
جو تم سے ایسے ناشائستہ اور بُرے افعال کا ارتکاب کرا رہا ہے یعنی قتل انبیاء، شرک اور گوسالہ پرستی اور تورات کا انکار یہ تمام مذکورہ بالا افعال شنیعہ مقتضائے ایمان کے خلاف ہیں۔ لہٰذا تمہارا اپنے
انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ ہدایت اور وحی پر بھی ایمان نہیں ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۹۲)
پھر بنا لیا تم نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو
وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو ۱۸۱
خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا
پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے
وَ عَصَیْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ
اور نہ مانا اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی بسبب ان کے کفر کے ۱۸۲
قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
کہہ دے کہ بُری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم
مُّؤْمِنِیْنَ (۹۳) قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ
ایمان والے ہو ۱۸۳ کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا
اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے ۱۸۴ تو تم مرنے کی
الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۹۴) وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ
آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو ۱۸۵ اور ہرگز آرزو نہ کریں گے موت
اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ
کی کبھی بھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ ۱۸۵ اور اللہ خوب جانتا ہے
بِالظّٰلِمِیْنَ (۹۵) وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ
گنہگاروں کو اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص
عَلٰى حَیٰوةٍ ۚۛ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ
زندگی پر ۱۸۶ اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی ۱۸۷ چاہتا ہے ایک ایک ان کا

معانقۃ ۲

یہود کو مباہلہ کا چیلنج

جس طرح آج کل کے بعض پیشہ ور گدی نشین اپنے مریدوں کے سامنے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ چونکہ بزرگوں کی اولاد ہیں اس لئے وہ اور ان کے مرید خیر و عافیت سے ضرور جنت میں جائیں گے اسی طرح یہود کے مولوی اور پیر بھی دعویٰ کرتے تھے کہ جنت میں صرف وہی اور ان کے پیروکار جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے افہام و تفہیم کی انواع کے بیان اور ان کے ایک باطل قول کی تردید کے بعد ان کو مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ یہ چیلنج ان کے اسی سب سے بلند بانگ دعویٰ کے جواب میں ہے کہ ہم اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی اولاد ہیں اس لئے ہم خدا کے چہیتے اور محبوب ہیں اور جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا۔ سبب نزولہا قولھم لن یدخل الجنۃ الخ ونحن ابناء اللہ واحباؤہ الخ ولن تمسنا النار الخ (روح ص۳۲۲ ج ۱، قرطبی ج ۱، معالم ص۷۱ ج ۱، ابن کثیر ص۱۲۷ ج ۱) تو اس کا جواب مباہلہ سے دیا گیا۔

۲ انواع تفہیم اور قول باطل کی تردید کے بعد مباہلہ کا چیلنج ۳

۱۸۴ الدار الاخرۃ سے مراد جنت ہے اور الناس سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو ان کے دین پر نہیں تھے فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ یعنی ہر فریق دوسرے کی موت کی تمنا کرے یعنی موت کی بددعا کرے جیسا کہ مباہلہ میں ہوتا ہے۔ ای ادعوا بالموت علی الکاذب من الفریقین والمراد منہ المباھلۃ کما صح عن ابن عباس رضی اللہ عنھما وغیرہ من السلف (جامع البیان ص۱۶، قرطبی ص۳۳ ج ۱) اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جنت صرف تمہارے ہی لئے ہے تو آؤ اور مباہلہ کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں تمنی موت سے اپنی موت کی تمنا مراد ہے یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اللہ سے اپنے لئے موت مانگو کیونکہ جس شخص کو یقین ہو کہ وہ جنت میں جائے گا اس کی دلی خواہش یہ ہوگی کہ وہ اس دنیا کے جھمیلوں سے نجات پائے اور آخرت کی طرف منتقل ہو کر جنت میں اپنا بسیرا کرے۔ ۱۸۵ یہودیوں کو اپنی سابقہ بداعمالیوں کی بنا پر اس بات کا یقین ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں اس لئے وہ مباہلہ پر کبھی تیار نہ ہوں گے اور نہ ہی موت کی آرزو کریں گے۔ انھم فی دعواھم کاذبون (معالم ص۷۱ ج ۱، قرطبی ص۳۳ ج ۲) وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے اور ان کی تدبیروں اور ہتھکنڈوں سے خوب واقف ہے۔ ۱۸۶ تجدن میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ھم کی ضمیر ان یہودیوں کی طرف ہے جن کا پہلے ذکر ہو رہا ہے یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ لوگ زندگی پر بڑے حریص ہیں اور تمام لوگوں سے بڑھ کر انہیں زندگی پیاری ہے کیونکہ انہیں اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنا بدانجام معلوم ہے یا ان کی حرص کی وجہ یہ بھی تھی کہ عوام الناس پر ان کے تقدس و اقتدار کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور نذر و نیاز کی بے حساب آمدنی کا سلسلہ جاری تھا۔ اس مفت کے عیش و عشرت کی وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔ ۱۸۷ من حیث المعنیٰ اس کا عطف الناس پر ہے یعنی یہ یہودی تو مشرکوں سے بھی بڑھ کر زندگی پر حریص ہیں کیونکہ مشرکوں کو آخرت میں عذاب کا کوئی ڈر نہیں تھا اس لئے کہ وہ آخرت کے قائل ہی نہیں تھے اور نہ ہی یہودیوں کے مولویوں اور پیروں کی طرح انہیں نذر و نیاز کی آمدنیاں وصول ہوتی تھیں۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ هُمْ کی ضمیر بھی ان یہودیوں کی طرف راجع ہے یہ ان کی حرص کی زیادتی کا مزید بیان ہے۔

۱ یہودی مولوی اور پیر بھی جنت کے دعویدار ۲

موضح قرآن ف۱ کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جاوے گا اور ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یقیناً بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو؟ فتح الرحمن: ف۱ یعنی از تحریف یہود آں بود کہ می گفتند داخل نہ خواہد شد در بہشت ہیچ کس مگر یہود و ایں خطا است زیرا کہ علامت بہشتیاں مشتاق شدن بملاقاتِ خدا است و ایشاں از مرگ ہراساں بودند و اشارت بہمیں معنیٰ است دریں آیت ۱۲

یعنی ان میں سے ہر ایک کی یہ آرزو ہے کہ اسے ایک ہزار سال زندگی ملے وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ ـــ ما نافیہ ہے هُوَ اسکا اسم اور بِمُزَحْزِحِهٖ اس کی خبر ہے اور اَنْ يُّعَمَّرَ مبتدا کا بیان ہے یعنی طویل عمر کا دیا جانا عذاب سے نہیں بچا سکتا کیونکہ ہزار سال کے بعد آخر موت ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۧ اللہ تعالیٰ ان کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور ان کے تمام ظاہر و باطن اعمال سے باخبر ہے اسلئے لامحالہ انہیں ان کے اعمال کی سزا دے گا۔

یہودیوں کے شبہات کا ازالہ

افہام و تفہیم کے دوران مخاطب کے ذہن میں بعض شبہات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے جبتک ان شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اس وقت تک مخاطب کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ سات رکوعات میں یہودیوں کو سمجھانے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے افہام و تفہیم کے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کئے گئے ہیں۔ اب آخر میں ان کے تین شبہات کا جواب دیا جا رہا ہے۔

پہلا شبہ:۔ یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں تو کہنے لگے کہ جبریلؑ فرشتہ تو ہمیشہ عذاب ہلاکت اور خط سالی کا پیغام لایا کرتا ہے۔ نیز جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا اس وقت جبریلؑ ہی تھا جس نے اس ظالم بادشاہ کی مدد کی اور اس نے یہودیوں کو تہس نہس اور بیت المقدس کو برباد کر دیا۔ اسی طرح یہ جبریلؑ ہمارے اندرونی راز اور پوشیدہ بھید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتا ہے اس لئے یہ فرشتہ ہمارا دشمن ہے۔ (بحر ص۳۱۹ ج۱، روح ص۳۳۲ ج۱) چونکہ توحید کا پیغام یہ فرشتہ لایا ہے ہم اسے ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ ہاں اگر يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ کا پیغام، يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ، وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اور دیگر احکام میکائیل فرشتے نے لائے ہوتے تو ہم انہیں بخوشی قبول کر لیتے۔ یہ اگرچہ حقیقت میں محض ضد پر مبنی اور نہ ماننے کا ایک لنگڑا بہانہ تھا لیکن ناصح حکیم جل مجدہٗ نے اس کا بھی نہایت متین اور معقول جواب دیا ہے۔

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ
کاش عمر پاوے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے
اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ
اس قدر جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں فلے تو کہہ دے جو کوئی
كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ
ہووے دشمن جبریل کا فلے سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر
بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ
اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور
بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا
وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾
اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا فلے تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا فلے
وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا
اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کرینگے ان کا مگر
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ
وہی جو نافرمان ہیں فلے کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دیگی اسکو ایک جماعت
مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ
ان میں سے فلے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے اور جب پہنچا ان کے پاس
رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ
رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو انکے پاس ہے فلے تو پھینک دیا
فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ
ایک جماعت نے اہل کتاب سے اللہ کی کتاب کو

دوسرا شبہ:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہود سے بار بار فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس پر نازل کی گئی کتاب کوئی نیا مسئلہ نہیں پیش کر رہے بلکہ یہ وہی پیغام توحید پیش کر رہے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے ذریعے پیش فرمایا اور ان کے بعد آنے والے ہزاروں انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے ہیں تو اس پر یہودیوں کے علماء نے کہا کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن نے جو نظریہ پیش کیا ہے بعینہٖ تورات کا اور ہمارے پیغمبروں کا بھی یہی نظریہ تھا کیونکہ ہمارے اوراد و وظائف اور تورات میں تو غیر اللہ کو پکارنے کی اجازت موجود ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (عیاذاً باللہ) غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے اور اسی وجہ سے جن و انس پر انکی حکومت قائم تھی۔ اگر تورات میں اس کی اجازت نہ ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے اور عوام کو گمراہ کرنے کیلئے جادو کی پوتھیاں ان کو دکھاتے جو شیطانوں نے گھڑ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ لگا دی تھیں (کبیر ص۶۲۲ ج۱) یہودی یہ پوتھیاں لوگوں کو دکھاتے اور کہتے دیکھو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاص یادداشتیں ہیں اور ان میں غیر اللہ کو پکارنا لکھا ہے۔

تیسرا شبہ:۔ تیسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ اگر غیر اللہ کو پکارنا ناجائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ دو مقرب فرشتوں ہاروت اور ماروت کو جادو سکھانے کے لئے کیوں دنیا میں بھیجتا؟ حالانکہ جادو میں غیر اللہ ہی کو پکارا جاتا ہے اور اس طرح غیر اللہ سے استمداد و استعانت کی جاتی ہے (اس کی مزید تحقیق آگے آ رہی ہے) تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ سے استعانت کرنا جائز ہے۔ اب ترتیب وار تینوں شبہات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

موضح قرآن ف ١ یہود نے کہا کہ یہ کلام لاتا ہے جبرئیل اور وہ ہمارا دشمن ہے کئی بار ہمارے دشمنوں کو ہم پر غالب کر گیا کوئی اور فرشتہ لاتا تو ہم مانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کرتے ہیں بے حکم نہیں کرتے جو ان کا دشمن ہوا اللہ بے شک اس کا دشمن ہے ١٢

فتح الرحمٰن ف ١ دیگر از ہفوات یہود آں بود کہ جبرئیل را دشمن می داشتند کہ عذاب بر امم سابقہ فرود آورد و ایں خطا است کہ جبرئیل مامور است از جناب حق عز و جل وے را چہ اختیار ١٢

پہلے شبہ کا جواب :- **۱۸۸** مَنْ شرطیہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے ای فعلوا تولوا وجہ لہا ادما اشبہ ھٰذا التقدیر (بحر ص۳۲۲ ج ۱) ای من کان عدوہ فلا انصاف لہٗ (جامع ص۲۰) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا کہ آپؐ ان کے شبہ کا جواب دیں کہ جو شخص حضرت جبریلؑ کا دشمن ہے اس کی دشمنی بلاوجہ ہے اور انصاف پر مبنی نہیں آگے اس کی پانچ علتیں اور دلیلیں بیان کی گئی ہیں فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ یہ جزاء محذوف کی پہلی علت ہے یعنی جبریلؑ سے عداوت رکھنا تو بالکل بے معنی اور غیر منصفانہ حرکت ہے اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ آپؐ کے قلب پر نازل کیا ہے وہ اپنے پاس سے اور اپنی مرضی سے نازل نہیں کیا بلکہ وہ تو اللہ کا کلام ہے اور انہوں نے اللہ ہی کے حکم سے نازل کیا ہے اس لئے حضرت جبریلؑ سے دشمنی سراسر حماقت ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یہ جزاء محذوف کی دوسری علت ہے اور مُصَدِّقًا، نَزَّلَہٗ کی ضمیر منصوب سے حال ہے یعنی جو کتاب حضرت جبریلؑ نے اللہ کے حکم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے وہ بھی کوئی نئی اور انوکھی نہیں بلکہ پہلی کتابوں کے بنیادی اور اصولی مضامین کی تصدیق کرتی ہے۔ اور وہی دعوت توحید پیش کرتی ہے جو اس سے پہلے خود تورات نے پیش کی تھی هُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ* دونوں مُصَدِّقًا پر معطوف ہیں۔ یہاں قرآن کی دو صفتیں اور بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ سیدھی راہ دکھاتا ہے اور کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ماننے والوں کو آخرت میں ابدی زندگی کی خوشخبری سناتا ہے تو ایسی کتاب لانے والے سے عداوت سراسر بے انصافی اور حماقت ہے۔ **۱۸۹** پچھلی آیت میں تو دلائل سے عداوت جبریلؑ کی غیر معقولیت بیان کی تھی اب اس آیت میں جبریلؑ اور دوسرے فرشتوں سے عداوت رکھنے والوں کا انجام بیان کیا ہے اس لئے یہ عداوت جبریلؑ کی غیر معقولیت کی پانچویں دلیل ہے۔ عَدُوٌّ عداوت سے اسم ہے اور عداوت محبت اور دوستی کی ضد ہے اور اس سے مراد ہر وہ فعل ہے جو دوستی اور محبت کے منافی ہو۔ تمام فرشتوں کے ذکر کے بعد جبریلؑ اور میکائیلؑ کی تخصیص باقی فرشتوں پر ان کی فضیلت اور برتری کے اظہار کے لئے ہے یا دونوں کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ یہودیوں نے ان دونوں کا ذکر کیا تھا اور انہیں کے سبب سے یہ آیت نازل ہوئی۔ لان الیھود ذکروھما ونزلت الاٰیۃ بسببھما (روح ص۳۳۴ ج ۱) من شرطیہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔ تقدیرہ فھو کافر مجزی باشد العذاب (روح ص۳۳۴ ج ۱) یعنی جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا خصوصًا جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو وہ کافر ہے اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ یہ جواب شرط محذوف کی علت ہے یعنی ان کی سزا کی علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں سزا دیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں سے دشمنی خدا کی ناراضی اور اس کے غضب کا موجب ہے آگے اہل کتاب کیلئے زجر و تنبیہ ہے۔ **۱۹۰** ہم نے آپؐ کو ایسے واضح دلائل اور ایسی کھلی نشانیاں دی ہیں کہ ان کا انکار صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے ضد و عناد کی وجہ سے فسق و فجور کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے المتمردون فی الکفر الخارجون عن الحدود (روح ص۳۳۵ ج ۱) یہ یہودی ضد و عناد اور تمرد و سرکشی میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ ایسے واضح دلائل کا بے کھٹکے انکار کر دیتے ہیں۔ **۱۹۱**

*ہدیٰ اور بشریٰ

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا

اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں والے اور پیچھے ہو لئے

مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ

اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمانؑ کی بادشاہت کے وقت **۱۹۳** اور کفر نہیں کیا

سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ

سلیمان نے **۱۹۴** لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھاتے تھے

النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے **۱۹۵** اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ

یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو **۱۹۶** پھر ان سے سیکھتے

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَ

وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں **۱۹۷** اور

مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ

وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے اور

يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا

سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے **۱۹۸** اور وہ خوب جان چکے ہیں

لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ

کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ اور بہت ہی بری

مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

چیز ہے جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو **۱۹۹** اگر ان کو سمجھ ہوتی اور اگر وہ

منزل ۱

ان کے طغیان و عصیان کا یہ حال ہے کہ انہوں نے جب کبھی کوئی عہد کیا اسے پورا نہ کیا بلکہ ان میں ہمیشہ ایک بہت بڑی جماعت عہد شکنی پر کمربستہ رہی۔ گویا عہد شکنی، غداری اور نافرمانی ان کی عادت قدیمہ اور قومی خصوصیت ہے۔ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ بلکہ ان کی اکثریت کا تو اپنی کتاب پر بھی مخلصانہ ایمان نہیں تھا صرف منافقانہ طور پر زبانی اقرار تھا لیکن ان کا عمل اسکے خلاف تھا۔ (کبیر ص۳۳۴ ج ۱) تو جن کے خبث باطن کا یہ حال ہو کہ اپنی کتاب اور اپنے رسول کو بھی نہ مانیں بھلا وہ دوسری قوم کے نبی اور اس کی کتاب کو کیوں ماننے لگے۔

دوسرے شبہ کا جواب :- **۱۹۲** رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب ان اسرائیلیوں کے پاس خدا کا پیغمبر ایسا پیغام لے کر آیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی تصدیق کرتا ہے اور جو دعوت توحید اور اصول دین انہوں نے بیان کئے ہیں ان کی تائید و توثیق کرتا ہے۔ صدق ما فیھا من قواعد التوحید واصول الدین واخبار الامم والمواعظ والحکم (روح ص۳۳۶ ج ۱) نَبَذَ فَرِیْقٌ

فتح الرحمٰن۔ **ف ۱** دیگر از ہفوات یہود آن بود کہ سحر میکردند و سلیمان علیہ السلام را ساحر میدانستند و این افترا بود بر سلیمان علیہ السلام و اشارت بہمیں معنیٰ است درین آیت ۱۲

مِّنَ الَّذِيْنَ یہ لَمَّا کا جواب ہے اور اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہی یہودی ہیں اور كِتٰبَ اللّٰهِ سے تورات مراد ہے اور یہ نَبَذَ کا مفعول ہے یعنی جب اللہ کا سچا پیغمبر تورات کی تصدیق کرتا ہوا ان کے پاس آیا تو ان تورات پر ایمان کے دعویداروں نے تورات کے احکام کو ٹھکرا دیا اور ان کی ذرا پرواہ نہ کی۔ تورات میں اس آخری نبی کے ظہور کی پیشگوئی اور آپ کی صفات و علامات موجود تھیں اور تورات میں یہ حکم بھی موجود تھا کہ جب یہ نبی ظاہر ہو تو اس پر ایمان لانا۔ اور یہودیوں کے علماء اچھی طرح جانتے تھے کہ تورات میں جس پیغمبر کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں مگر اس کے باوجود آپ کو نہ مانا اور تورات کے حکم کو پس پشت ڈال دیا۔ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ انہوں نے تورات کے حکم کی اس طرح لاپرواہی کی اور اسے اس طرح ٹھکرا دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ ١٩٣ شیاطین سے سرکش جن اور ابلیس کے چیلے مراد ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ والمتبادر من الشیاطین مردۃ الجن وھو قول الاکثرین (روح ص۳۳۸ ج ۱) ان یہودیوں نے تورات میں آخری نبی پر ایمان لانے کے حکم ہی کو نہیں ٹھکرایا بلکہ انہوں نے تو تورات کی دعوتِ توحید کو بھی پامال کر دیا اور اسے چھوڑ کر شیطانی جادو اور ٹونے ٹوٹکوں کے پیچھے پڑ گئے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں شیطانوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھڑے تھے۔ جب یہودیوں نے قرآن کی دعوتِ توحید کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پکار کا جواز ثابت کرنے کے لئے تورات پیش کی تو تورات مسئلہ توحید پر قرآن سے متفق نکلی تو اب یہودی اپنی خفت مٹانے کے لئے جادو کی وہ پوتھیاں نکال لائے جو شیطانوں نے لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے مومن وزیر آصف بن برخیا اور ہاروت و ماروت فرشتوں کے ناموں سے مشہور کر رکھی تھیں اور نسلاً بعد نسلٍ موجود ہو کر ان تک پہنچی تھیں۔ قال السدی عارضت الیھود محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بالتورٰۃ فاتفقت التورٰۃ والقراٰن فنبذوا التورٰۃ واخذوا بکتاب اٰصف وسحر ھاروت وماروت (قرطبی ص۴۱ ج ۲، کبیر ص۶۲۵ ج ۱، نیشاپوری ص۳۴۱ ج ۱) ١٩٤ جادو میں چونکہ غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے اس لئے ایسا جادو صریح شرک اور کفر ہے جب یہودی جادو، اور ٹوٹکوں کی پوتھیاں نکال لائے اور کہا دیکھو، یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خاص نوشتے ہیں اور وہ جادو کیا کرتے اور غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے بلکہ اسی کی بنا پر وہ جنوں پر حکومت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس دعویٰ کی تردید و تکذیب فرما کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس کفر و شرک سے براءت کا اعلان فرمایا کہ سلیمان پیغمبر نے تو ایسا کفر و شرک کبھی نہیں کیا جو یہ لوگ ان کے ذمے لگا رہے ہیں۔ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ـــ لکن ماقبل کی نفی اور مابعد کے اثبات کے لئے آتا ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ جادو، اور کفر و شرک نہیں کیا بلکہ یہ سب شیطانوں کی کارستانیاں ہیں۔ حضرت قتادہؓ کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے ایک کتاب تیار کی جس میں جادو اور شرک تھا۔ اور لوگوں میں اس کی اشاعت کی اور اس میں لکھا ہوا جادو لوگوں کو سکھانے لگے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے وہ کتابیں حاصل کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیں۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو جنوں نے وہ کتابیں پھر سے نکالیں اور لوگوں میں مشہور کرنا شروع کر دیا کہ یہ حضرت سلیمانؑ کے مخصوص نوشتے اور ان کا خاص علمی خزانہ ہے جسے انہوں نے ہم سے چھپایا ہوا تھا اور بعض نوشتوں کی ابتدا میں تو ان خبیثوں نے یہ الفاظ بھی بڑھا دیئے تھے۔ ھٰذا ما کتب اٰصف بن برخیا للملک سلیمان بن داؤد من ذخائر کنوز العلم یعنی یہ علم کے ذخیروں میں سے وہ خزانہ ہے جسے آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے لکھا تھا۔ جنوں نے یہ کتابیں نکال کر لوگوں میں پھیلانا۔ اور انہیں سکھانا شروع کر دیا۔ (ھٰذا کلہ من ابن جریر ص۳۳۹ ج ۱) رفتہ رفتہ یہی نوشتے اور پوتھیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں کے پاس بھی پہنچ گئیں۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین آسمان کے قریب جا کر آئندہ کاموں سے متعلق فرشتوں کی باتیں سنتے اور ان میں اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں اور نجومیوں کو بتاتے اور وہ ان تمام باتوں کو کتابوں میں لکھ کر لوگوں میں پھیلاتے اور انہیں سکھاتے۔ اور چونکہ کوئی بات سچی بھی ہو جاتی تھی اس لئے انہوں نے لوگوں میں مشہور کر رکھا تھا کہ جن غیب جانتے ہیں۔ اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاص علم ہے اور اسی علم کے ذریعے انہوں نے جن و انس اور ہوا کو تابع کر رکھا ہے (مدارک ص۵۱ ج ۱، نیشاپوری ص۳۴۲ ج ۱) اگر اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے تو شیاطین سے شیاطین الجن اور شیاطین الانس دونوں مراد ہونے چاہئیں کیونکہ اس کام کو شروع تو شیاطین الجن نے کیا تھا لیکن لوگوں میں اس کی تعلیم و اشاعت شیاطین الانس کے ذریعے ہوئی۔

تحقیق السّحر: ـــ اس آیت میں جادو کو کفر کہا گیا ہے اس لئے جادو سے یہاں دواؤں کے ذریعے یا ہاتھ کی صفائی سے عجیب و غریب کرتب کھانے مراد نہیں کیونکہ بعض لوگ ان پر بھی جادو، اور سحر کا اطلاق کر دیتے ہیں اور یہ کفر بھی نہیں بلکہ اس سے جادو کی وہ تمام قسمیں مراد ہیں جن میں غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے اور ارواح خبیثہ سے استعانت کی جاتی ہے اور اس میں شرکیہ وظائف پڑھے جاتے ہیں۔ ویستعان فی تحصیلہ بالتقرب الی الشیطان بارتکاب القبائح قولا کالرقی التی فیھا الفاظ الشرک الخ (روح ص۳۳۸ ج ۱) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادو کی تیرہ قسمیں ہیں اور سب کا خلاصہ غیر اللہ کو پکارنا، غیر اللہ کو قادر اور عالم الغیب سمجھنا ہے اس کے بعد فرمایا ہے کہ جادوگر کی سزا قتل ہے اور قتل کے بعد نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اے برادر! دعا لغیر اللہ کہ بر وے آثار عجیبہ ظاہر می شود سحر است ہمیں است ماہیت دعوت قمری ای مرسل الرحمۃ و منزل النعمۃ و ورد دعوت عطارد کل احصل لی من الخیر فھو منک و نیز گویند ایتھا العالم بخفیات الامور و المطلع علی السرائر و در تفسیر عزیزی است اگر در سحر قولی یا فعلی کہ موجب کفر باشد مثل ذکر نام بتاں و ارواح خبیثہ بہ تعظیمیکہ شایانِ رب العزت است مثل اثبات عموم علوم و قدرت و غیب دانی و مشکل کشائی یا ذبح لغیر اللہ یا سجدہ لغیر اللہ و غیر ذالک واقع شود بلاشبہ آں سحر کفر است و صاحب آں مرتد شود، انتہی مختصراً فی التوسل لابن تیمیہ ص۱۳۱ استغاثہ لغیر اللہ و اقسام لغیر اللہ سحر است۔"

اسی طرح امام ابن تیمیہ "قاعدہ جلیلہ" میں فرماتے ہیں کہ جادو میں غیر اللہ کو پکارنا لازم ہے۔

جس طرح یہودیوں نے اللہ کے معصوم پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ جادو، اور غیر اللہ کو پکارنے جیسا شرک لگا دیا تھا اور ثبوت میں غیر مستند نوشتے پیش کئے تھے۔ اسی طرح آجکل بھی قرآن کی خالص توحید کے مقابلہ میں شرک پسند پیر اور بدعت نواز مولوی اپنے شرکیہ اعمال و عقائد اور بدعات کو جائز ثابت کرنے کے لئے امام ابو حنیفہؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، امام شعرانیؒ اور دیگر بزرگانِ دین کا نام لیتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی غیر اللہ کو نہ صرف پکارنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ خود بھی پکارا کرتے تھے اور ثبوت "قصیدہ نعمانیہ، قصیدہ غوثیہ، لطائف المنن اور بہجۃ الاسرار" ایسی غیر مستند اور بے سروپا کتابیں پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ بزرگانِ دین اس قسم کی خرافات سے بالکل بری تھے۔ اگر قرآن کے مقابلہ میں ایسی عبارتیں اور کتابیں بزرگوں کی طرف منسوب کر کے پیش کی جائیں تو اگر واقعی وہ بزرگ اور اولیاء اللہ تھے جیسے مذکورہ بزرگان تو اس نسبت کا صاف انکار کر دینا چاہیئے جس طرح وضاعوں اور کذابوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جھوٹی حدیثیں لگا دی ہیں اسی طرح توحید کے غداروں اور سنت کے باغیوں نے یہ من گھڑت خرافات ان بزرگوں کے ذمہ لگا دی ہیں اور اگر ان عبارتوں کی نسبت ان بزرگوں کی طرف صحت سے ثابت ہو جائے تو ان میں تاویل کی جائے اور ان کا ایسا محمل بیان کیا جائے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو، اور اگر الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو کہا جائے کہ یہ کلمات اس شخص سے غلبۂ حال کی حالت میں صادر ہوئے ہوں گے جس میں وہ معذور رہے بہر حال قواعد شرعیہ کے خلاف کسی کا کوئی قول قابل قبول نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی اور امام کیوں نہ ہو۔ شریعت اماموں اور ولیوں کے تابع نہیں بلکہ امام اور ولی شریعت کے تابع ہیں۔ ١٩٥ وَمَآ اُنْزِلَ میں مَا موصولہ ہے نافیہ نہیں جیسا کہ بعض کو غلطی لگی ہے اس کا عطف مَا تَتْلُوْا پر ہے یعنی یہودیوں نے تورات کا پیغام توحید چھوڑ چھاڑ کر شیطانی ٹوٹکوں اور ہاروت و ماروت کے جادو کی اتباع اور پیروی شروع کر دی۔ یہاں انزل سے مراد وحی نہیں بلکہ الہام کے ذریعے تعلیم مراد ہے۔ الانزال بمعنی الالھام والتعلیم (معالم ص۵۲ ج ۱) الملکین میں مشہور قراءت لام کے فتحہ سے ہے۔ القراءۃ المشھور بفتح اللام (کبیر ص۶۲۵ ج ۱) اسی بنا پر محققین کی رائے یہ ہے کہ ہاروت اور ماروت دونوں فرشتے تھے جنہیں لوگوں کے امتحان اور ابتلا کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا تھا۔ ذھب کثیر عن السلف الی انھما کانا ملکین من السماء وانھما انزلا الی الارض (ابن کثیر ص۱۳۷ ج ۱) وھذان الملکان

انزلا لتعليم السحر ابتلاء من الله تعالى للناس (روح ص۳۴۰ ج ۱)

ان فرشتوں کو زمین پر اتارنے کی وجہ کے متعلق علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سحر اور کا جادو کا چرچا عام تھا اور جادوگر بکثرت تھے بعض دفعہ جادوگر نبوت کا دعویٰ کر دیتے اور جادو کے عجیب و غریب کرتب دکھا کر لوگوں سے اپنی جھوٹی نبوت منوا لیتے۔ جادوگر لوگوں کو ایسے ایسے شعبدے دکھاتے کہ وہ حیران رہ جاتے سفلی عملیات اور جادو کے ٹوٹکوں سے عوام اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں حق سمجھنے لگے اور ان کے ذہنوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہو گئیں کہ وہ جادو اور معجزہ کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے تھے۔ اس طرح جادو کے ذریعہ روز بروز گمراہی پھیل رہی تھی۔ لوگ انبیاء علیہم السلام، اللہ کے نیک بندوں اور جادوگروں اور شعبدہ بازوں کو ایک ہی سمجھنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کا فیصلہ کرنے اور جادو اور معجزہ میں امتیاز قائم کرنے کے لئے ان فرشتوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کر کے زمین پر بھیجا تاکہ لوگ جادو اور معجزہ کی حقیقت اور باہمی امتیاز کو سمجھ کر جادوگروں کے مکر و فریب سے بچ سکیں۔ (من الکبیر ص۴۵۲ ج ۱، والروح ص۳۴۰ ج ۱، والبحر ص۳۲۹ ج ۱)

یہودیوں نے ہاروت و ماروت کے متعلق ایک عجیب و غریب اور جھوٹا قصہ مشہور کر رکھا تھا جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ نے ان دونوں فرشتوں کو بطور آزمائش بشری لوازمات دے کر زمین پر بھیجا تو انہوں نے ایک کنجری زہرہ کے ورغلانے پر بت کو سجدہ کیا۔ شراب نوشی کی، ایک آدمی کو ناحق قتل کیا۔ اور زہرہ کنجری سے منہ کالا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے زہرہ کنجری کو اسم اعظم بتا دیا اور وہ اس کے ذریعے آسمان پر چلی گئی تو اللہ نے اسے زہرہ سیارہ بنا دیا۔ ہاروت و ماروت اپنے گناہوں کی وجہ سے آسمان پر نہ جا سکے اور اب انہیں الٹا لٹکا کر عذاب دیا جا رہا ہے۔ تعجب ہے کہ بعض مفسرین نے یہ جھوٹا قصہ بلا نکیر اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے لیکن محققین مفسرین نے اس پر شدید انکار کیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ واعلم ان ھذہ الروایۃ فاسدۃ مردودۃ غیر مقبولۃ لانہ لیس فی کتاب ما یدل علی ذلک بل فیہ ما یبطلھا (کبیر ص۴۵۲ ج ۱) قرطبی لکھتے ہیں۔ قلنا ھذا کلہ ضعیف وبعید عن ابن عمر وغیرہ لا یصح منہ شیئ (قرطبی ص۵۲ ج ۱) امام ابوحیانؒ رقمطراز ہیں۔ وھذا کلہ لا یصح منہ شیئ والملائکۃ معصومون لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون (بحر ص۳۲۹ ج ۱) علامہ خازنؒ لکھتے ہیں۔ فبان بھذہ الوجوہ رکۃ ھذہ القصۃ (خازن ص۸۰ ج ۱) علامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ امام رازیؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کر کے عراقی سے نقل فرماتے ہیں۔ ونص الشہاب العراقی علی ان من اعتقد فی ھاروت وماروت انھما ملکان یعذبان علی خطیئتھما مع الزھرۃ فھو کافر باللہ تعالیٰ العظیم (روح ص۳۴۱ ج ۱) یہ واقعہ "موضح قرآن" میں بھی ہے جو شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے نام پر کتابی صورت میں چھپی ہوئی ہے مگر محققین مثلاً محدث العصر حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تفسیر شاہ عبدالقادر کی نہیں ہے کسی نے لکھ کر ان کے نام منسوب کر دی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی "موضح قرآن" صرف وہی حواشی ہیں جو قرآن مجید کے حاشیہ پر چھپے ہوئے ہیں بعض ناشرین نے اب ان میں بھی کچھ ادل بدل کر دیا ہے۔ **۱۹۶** يُعَلِّمٰنِ تعلیم سے ہے۔ اور تعلیم کے معنی یہاں درس و تدریس کے نہیں ہیں بلکہ یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے۔ انہ من الاعلام لا من التعلیم فیعلمان بمعنی یُعْلِمَانِ (قرطبی ص۵۴ ج ۲) وقرأ طلحۃ بن مصرف یُعْلِمَانِ من الاعلام لان التعلیم علیھا حمل بعضھم قراءۃ التشدید (روح ص۳۴۲ ج ۱) اور من زائدہ ہے تاکید استغراق کے لئے۔ (روح ص۳۴۳ ج ۱) فتنہ کے معنی آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ واما الفتنۃ فی ھذا الموضع فان معناھا الاختبار والابتلاء (ابن جریر ص۳۴۶ ج ۱) الفتنۃ الاختبار والامتحان (ابوالسعود ص۶۵۳ ج ۱) یعنی جب کوئی ان دونوں فرشتوں کے پاس جادو سیکھنے کے لئے آتا تو وہ پہلے ازراہ خیر خواہی اس پر واضح کر دیتے تھے کہ دیکھو جادو پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا کفر ہے اور ہم تو محض اس لئے بھیجے گئے ہیں تاکہ جادو اور معجزہ کا فرق لوگوں پر واضح کر دیں لہٰذا جادو کے جو اصول ہم تمہیں بتلائیں گے ان کو ناجائز طور پر استعمال نہ کرنا اور اس طرح ہم تمہارے لئے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ دیکھنا کہیں جادو کے پیچھے پڑ کر اپنا ایمان نہ ضائع کر بیٹھنا۔ مذکورہ بیان سے ہاروت و ماروت فرشتوں کا دامن بھی شرک اور جادو سے پاک ہو گیا جو کہ یہودیوں نے ان کے ذمہ لگایا تھا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ خود جادو نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ہی غیر اللہ کو پکارتے تھے وہ تو اللہ کے حکم سے محض لوگوں کے امتحان کے لئے جادو کی حقیقت واضح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ **۱۹۷** فرشتوں کے روکنے کے باوجود لوگ اس جادو کو ناجائز طور پر استعمال کرنے لگے اور زیادہ تر خاوند بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے اسے استعمال کرتے تھے۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ جادو ٹوٹکے اور تعویذ گنڈے سے جو بھی آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ کے حکم اور اس کی قضا سے ہوتے ہیں کیونکہ فاعل اور مؤثر حقیقی وہی ہے نہ کہ یہ چیزیں۔ یہ چیزیں تو محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں۔ قال سفیان الثوری الا بقضاءہ وقدرتہ ومشیتہ (معالم ص۳۵ ج ۱) اس لئے ضروری نہیں کہ ہر ٹوٹکے اور تعویذ گنڈے کا اثر ظاہر ہو۔ **۱۹۸** یہ بدبخت یہودی جو کچھ سیکھ رہے ہیں اس کے ذریعہ دوسروں کو نقصان پہنچانا تو ان کے بس کی بات نہیں البتہ یہ جادو دنیا اور آخرت میں ان کے لئے سراسر نقصان ہی نقصان ہے اور اس میں انہیں ذرہ برابر فائدہ نہیں۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا علموا کا فاعل یہودیوں کے علماء ہیں۔ قیل عائد علی علماء الیھود (بحر ص۳۳۳ ج ۱) اشْتَرٰىهُ میں ضمیر مفعول مَا تَتْلُوْا کی طرف راجع ہے جس سے مراد جادو ہے۔ اور اشتراء سے مراد استبدال ہے۔ ای استبدال ما تتلوا الشیاطین بکتاب اللہ (ابوالسعود ص۶۵۷ ج ۱) یعنی ان یہودیوں کے مولویوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جس نے خدا کی کتاب کو چھوڑ کر اس پر جادو اور سحر کی پوتھیوں کو ترجیح دی اور توحید سے منہ موڑ کر شرک اور غیر اللہ کو پکارنے میں لگ گیا وہ آخرت میں سخت بدنصیب ہوگا۔ خدا کی کتاب سے تورات یا قرآن مراد ہے۔ علامہ ابوحیانؒ ایک صورت یہ بھی لکھتے ہیں کہ اشتراہ کی ضمیر تورات یا قرآن شریف کی طرف عائد ہو، اور اشتراء بمعنی بیع ہو یعنی جس نے تورات یا قرآن کو چھوڑ اس کے عوض جادو کی کتابوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ او لکتاب اللہ الذی باعوہ بالسحر او القرآن لانہ تعوضوا عنہ بکتب السحر (بحر ص۳۳۳ ج ۱) **۱۹۹** بئس کا مخصوص بالذم محذوف ہے یعنی السحر اور شَرَوْا بمعنی بَاعُوْا ہے اور اَنْفُسَهُمْ سے پہلے لفظ حظوظ محذوف ہے یعنی یہ جادو جس کے عوض انہوں نے اپنی آخرت کا حصہ بیچ ڈالا ہے وہ بہت ہی بری چیز ہے۔ ای بئس ما باعوا بہ حظوظ انفسھم السحر (من البحر ص۳۳۴ ج ۱، والروح ص۳۴۶ ج ۱) لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وہ اس سودے کے خسارے کو جانتے تھے مگر چونکہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا اس لئے ان سے علم کی نفی کی ہے۔ **۲۰۰** اگر یہ یہودی اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لے آتے اور جادو کو چھوڑ کر قرآن کے مطابق عمل کرتے۔ یہ ان معاندین کے لئے ترغیب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ وہ ایسے سرکشوں اور ضدیوں کے لئے بھی رشد و ہدایت کی تمام راہیں کھولتا ہے۔ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ یہ معنیٰ لَوْ کا جواب ہے یعنی اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو انہیں اللہ کی طرف سے اجر ملتا اور اللہ کا ثواب یقیناً سحر اور کفر سے بہتر ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ اس حقیقت کو جانتے ہوتے۔

یہاں تک تو یہودیوں کے شبہات کا جواب تھا۔ اب آگے مسلمانوں کو یہودیوں کے ہتھکنڈوں اور ان کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہودی تحریف و تلبیس کے ماہر تو تھے ہی جس کی قرآن نے بھی شہادت دی ہے اور خود موجودہ تورات بھی ان کی تحریف اور تلبیس حق کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ یہودیوں نے سوچا کہ مسلمانوں میں علانیہ طور پر اور براہ راست شرک کا داخل کرنا تو بہت مشکل ہے لہٰذا کسی تدبیر اور سازش سے کام لینا چاہیئے۔ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف منعطف کرانے کے لئے لفظ "رَاعِنَا" استعمال کرتے تھے اس لفظ کے چونکہ دو معنی تھے ایک صحیح اور ایک موہم شرک اس لئے منافقین یہود نے بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر آپ کو "رَاعِنَا" کے لفظ سے مخاطب کرنا شروع کر دیا۔ بظاہر اس لفظ کے معنی بہت عمدہ تھے یعنی ہمارا بھی خیال فرمایئے یہودیوں نے سوچا کہ جب یہ لفظ مسلمانوں میں رائج ہو چکا ہے تو ہمیں اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہیئے۔ کیونکہ اس لفظ کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ہماری نگہبانی اور حفاظت فرمایئے۔ راعنا فی اللغۃ ارعنا ولنرعک لان المفاعلۃ من اثنین فتکون من رعاک اللہ ای احفظنا ولنحفظک وارقبنا ولنرقبک (قرطبی ص۵۷ ج ۲) اس لفظ سے ان کا مقصد مسلمانوں میں غیر اللہ کے حافظ و ناصر ہونے کا خیال ڈالنا تھا تاکہ غیر شعوری طور پر مسلمانوں میں شرک کا عقیدہ رائج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے موہم شرک لفظ سے منع فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موہم شرک الفاظ کا استعمال جائز نہیں۔ ان سے ہر حال میں اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ آج کل بعض جاہلوں میں اسی قسم کے موہم شرک الفاظ رائج ہیں مثلاً "جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول نے چاہا" اور "یا پیر استاذ" اور "یا رسول اللہ" اور "یا خواجہ معین الدین اجمیری" وغیرہ وغیرہ۔ **۲۰۱** اللہ نے مسلمانوں کو "راعنا" کے لفظ سے منع فرما دیا کیونکہ یہ لفظ موہم شرک تھا اور اس کے تحت یہودیوں کی ناپاک نیتیں

تعیں اور لمس کی جگہ انظرنا کا لفظ استعمال کرنے کا حکم دیا۔ وَاسْمَعُوْا ط — میرے امر و نہی کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ ای ما امرتکم به و نهیتکم عنه بجد (روح ص۳۴۹ ج ۱) اس سے ایسے الفاظ
کہنے اور ایسی رسموں کی بنا رکھنے کی ممانعت ثابت ہوئی جو موہم شرک ہوں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ الآیۃ کا اعلان کرنے کا
حکم دیا تاکہ نصاریٰ کی طرح مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم الغیب اور مالک و مختار نہ سمجھنے لگیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ میری قبر ظاہر نہ ہونے پائے تاکہ وہ شرک کا اڈہ
نہ بن جائے کذا فی الخازن ص وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اس کا تعلق لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے ہے یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا تو وہ اس
کے مقابلہ میں جادو منتر پیش کر دیتے ہیں۔ اب یہاں فرمایا گیا کہ وہ تو مشرک ہیں ہی اب تمہارے اندر بھی موہم شرک الفاظ کے ذریعے شرک پھیلانا چاہتے ہیں۔ اَلْكٰفِرِیْنَ میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد وہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ط لَوْ كَانُوْا
ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلہ پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو
یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ
سمجھ ہوتی ف۱ ف۲ اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور
قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ
کہو انظرنا ف۳ اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے
اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
دردناک ف۴ نہیں دل چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں
وَلَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط
اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے رب کی طرف سے
وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کیساتھ جسکو چاہے ف۵ اور اللہ بڑے فضل
الْعَظِیْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ
والا ہے جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں ف۶ تو بھیج دیتے ہیں اس
مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ
سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر
قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
قادر ہے ف۷ ف۸ کیا تجھ کو ف۹ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور
الْاَرْضِ ط وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾
زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار
اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ
کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے

ع ۱۲ ۱۳

ف۱ ازالۂ شبہات کے بعد مسلمانوں کو یہودی سازش (مسلمانوں میں کلمۂ موہم شرک کی ترویج) سے آگاہ کیا گیا ہے۔

ف۲ راعنا کی جگہ انظرنا کہنے کا حکم ۱۲

ف۳ یہ ما قبل سے بھی متعلق ہے اور ما بعد کی تمہید سے بھی ۱۲

سازشی یہود ہیں جنہوں نے بدنیتی سے لفظ راعنا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اب آگے اہل کتاب و مشرکین کی ایک دوسری اور ناپاک خواہش کا ذکر کیا ہے۔ ۵۲۰ یَوَدُّ — وَدٌّ سے ہے جس کے معنی چاہنے اور پسند کرنے کے ہیں۔ اور مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں من بیانیہ ہے اور وَلَا الْمُشْرِكِیْنَ کا عطف اَهْلِ الْكِتٰبِ پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہل کتاب دوسرے مشرکین اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام اہل کتاب کافر ہیں جب تک وہ آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان نہ لائیں اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ من الاولیٰ للبیان لان الذین کفروا جنس تحته نوعان اهل الکتٰب والمشرکون (مدارک ص۵۳ ج ۱، کبیر ص۶۴۵ ج ۱) اور خیر کو بعض مفسرین نے بعض معانی کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اسے عام رہنے دیا جائے تاکہ وہ تمام انواع خیر کو شامل ہو جائے۔ او عام فی انواع الخیر کلها لان المذکورین لا یودون تنزیل جمیع ذلك علی المؤمنین عداوۃ وحسدا وخوفا من فوات الدراسة وزوال الریاسة (روح ص۳۵۰ ج ۱) اب آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ یہودیوں کے خبث باطن اور تمہاری بدخواہی کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو وہ تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور وہ یہودی اور اسی طرح نصاریٰ اور مشرکین اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتے کہ تم پر اللہ کی طرف سے کوئی انعام و اکرام یا کسی قسم کی بہتری اور بھلائی نازل ہو۔ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ تم پر قرآن نازل ہو تمہیں

موضح قرآن ف۱ یعنی یہود نے اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ دیا اور لگے تلاش میں اعمال سحر کے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے آیا ایک حضرت سلیمانؑ کے عہد میں آدمی اور شیطان ملے رہتے تھے، ان شیطانوں سے سیکھا اور وہ یہود اس کو نسبت کرتے حضرت سلیمانؑ کی طرف کہ ہم کو انہیں سے پہنچا ہے اور ان کو حکم جن اور انس پر اسی کے زور سے تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا نہیں اس کے عہد میں شیطانوں نے سکھایا ہے اور دوسرے ہاروت و ماروت کی طرف سے وہ شہر بابل میں دو فرشتے تھے جو بصورت آدمی رہتے تھے ان کو علم سحر معلوم تھا جو کوئی طالب اس کا جاتا اول کہہ دیتے کہ اس میں ایمان جاتا رہیگا۔ پھر اگر وہ چاہتا تو سکھا دیتے اللہ تعالیٰ کو آزمائش منظور تھی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے علموں سے آخرت کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر پاتے ہیں اور بغیر حکم خدا کچھ کر نہیں سکتے اور علم دین اور کتاب سیکھتے تو اللہ کے یہاں ثواب پاتے۔ ف۲ یہود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے بعضی بات جو سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے "راعنا" یعنی ہماری طرف متوجہ ہو ان سے مسلمان بھی سیکھ کر کسی وقت یہ لفظ کہتے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہے تو اُنْظُرْنَا کہو اس کے بھی معنی یہی ہیں اور آگے سنتے رہو کہ پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود کو اس لفظ کے کہنے میں دغا تھی اس کو زبان دبا کر کہتے تو رَاعِیْنَا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا اور ان کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔ ف۳ یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعضی آیت نسخ ہوتی ہیں اگر اللہ کی طرف سے تھی تو پھر کیا عیب دیکھا جو کہ موقوف کی۔ اللہ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی میں تھا نہ پچھلی میں پر حاکم ہر وقت جو چاہے سو حکم کرے۔

فتح الرحمٰن ف۱ دیگر از مفوات یہود آں بود کہ در مجلس پیغمبر آمدہ لفظ راعنا میگفتند و ایں لفظ دو معنی است یکے آنکہ رعایت کن مارا و شفقت کن برما۔ دیگر رعونت دارندہ یعنی ابلہ و قصد ایشاں سب بود حق سبحانہ مسلمانان را ازیں کلمہ نہی کرد برائے سد باب فساد و اشارت بہمیں معنی است دریں آیت۔ ف۲ دریں آیت تعریض است بجواب یہود کہ انکار نسخ می کردند۔ ۱۲

دشمنوں کے مقابلہ میں فخر حاصل ہو یا کسی قسم کا کوئی فائدہ اور نفع پہنچے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ تمام انواع خیر کے مستحق ہم ہی ہیں۔ اور ان کی یہ خواہش محض عداوت اور بغض و حسد پر مبنی تھی۔ نیز انہیں یہ خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں پر وحی نازل ہو گئی تو ہمارے مدرسے اور ہماری آمدنی کی دکانیں بند ہو جائیں گی اور ہماری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی۔ ۱۰۵ یہاں بھی لفظ رحمت عام ہے اور ان تمام انواع رحمت کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی وقت اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ الرحمة فی هذه الاٰیة عامة لجمیع انواعها فقد منح اللّٰه بها عبادهٗ قدیمًا وحدیثا (قرطبی ص۶۱ ج۲) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی رحمت کا مستحق ہے اور جسے وہ چاہتا ہے اپنی نوازشات کے لئے منتخب کر لیتا ہے لوگوں کی خواہشات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بعض مفسرین نے خیر اور رحمت سے وحی مراد لی ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے انبیاء بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے رہے۔ جب آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل سے پیدا ہوئے تو یہودیوں نے تعصب اور حسد کی وجہ سے اسے ناپسند کیا۔ وقیل معنی الاٰیة ان اللّٰه تعالیٰ بعث الانبیاء من ولد اسحٰق فلما بعث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من ولد اسمٰعیل لم یقع ذٰلك بود الیهود ومحبتهم (معالم ص۴۹ ج۱) لیکن مشرکین کے بغض و حسد کیلئے یہ وجہ موزوں نہیں بلکہ یہ چیز تو ان کے لئے باعث فخر ہے کیونکہ وہ سب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تو بہت وسیع ہے اس لئے بعض کی محرومی اس کی مشیت اور حکمت کے تحت ہے نہ کہ اس کے فضل اور مہربانی کی کمی کی وجہ سے۔ وان حرمان بعض عباده لیس لضیق فضله بل لمشیته وما عرف فیه من حکمته (روح ص۳۵۱ ج۱)

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو اصل عداوت تو دعوت توحید سے تھی اور وہ اس عداوت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے کبھی تو راعنا جیسے موہم شرک الفاظ مسلمانوں کی زبانوں سے کہلا کر ان میں شرک داخل کرنے کی کوشش کرتے اور کبھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈا اور بے جا اعتراضات کرتے کبھی کہتے یہ لوگ اس قابل نہیں کہ اللہ کی طرف سے ان پر وحی یا کوئی بھلائی نازل ہو اور کبھی کہتے کہ اگر یہ قرآن خدا کا کلام ہے تو اس کے احکام کیوں بدلتے رہتے ہیں؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ایک حکم دیتا ہے پھر اس کے خلاف دوسرا حکم صادر کر دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمد کا اپنا کلام ہے۔ خدا کا کلام نہیں۔ نزلت لما قال المشرکون او الیهود الا ترون الی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم یامر اصحابه بامر ثم ینهاهم عنه ویامرهم بخلافه ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ما هٰذا الا کلام محمد صلی اللّٰه علیه وسلم یقوله من تلقاء نفسه (روح ص۳۵۱ ج۱) اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط پروپیگنڈے کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور مالک و مختار ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ ۱۰۶ نسخ سے مراد یہ ہے کہ آیت کا حکم اٹھ جائے لیکن اس کی تلاوت باقی رہ جائے۔ اور انساء سے مراد یہ ہے کہ حکم اور تلاوت دونوں اٹھ جائیں (بحر ص۳۴۳ ج۱) یہ راعنا کو منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کہنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے۔ نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ یعنی اگر ہم کسی حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں تو وہ بھی ہماری حکمت اور مصلحت کے عین مطابق ہوتا ہے اور ہم منسوخ شدہ حکم کی جگہ اس سے زیادہ مفید اور زیادہ آسان یا نفع اور سہولت میں اس کے برابر دوسرا حکم نازل کر دیتے ہیں۔ ای بما هو انفع لکم واسهل علیکم واکثر لاجرکم او مثلها فی المنفعة والثواب الخ (معالم ص۵۰ ج۱) اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یہاں استفہام تقریری ہے اور اس کا مخاطب ہر سامع ہے۔ هٰذا الاستفهام معناه التقریر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والاولیٰ ان یکون المخاطب لسامع (بحر ص۳۴۳ ج۱) مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندوں پر احکام میں رد و بدل اور محو و اثبات کا اسے پورا پورا اختیار ہے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اس سے اصل دعویٰ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہ انسانوں کی تمام حاجتیں اور ضرورتیں پوری کر سکتا اور ان کی تمام مشکلات آسان کر سکتا ہے۔ تو پھر اس کے سوا کیوں کسی اور کو پکارا جائے اور کیوں کسی اور سے استعانت کی جائے۔ اس آیت کا دوسرا ربط یہ ہے کہ اگر ہم کوئی ایسی رسم منسوخ کر دیں جو موہم شرک ہو تو اس کی جگہ اس سے بہتر طریقہ رائج کر دیتے ہیں جس طرح راعنا کا لفظ منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کا لفظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

فائدہ: متقدمین حضرات نسخ کو اس کے وسیع معنوں میں لیتے تھے یعنی وصف آیت کے مطلق تغیر کو نسخ کہتے تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک پانچ سو سے بھی زیادہ آیتیں منسوخ ہیں لیکن متاخرین نے نسخ کو محدود معنی میں استعمال کیا یعنی آیت کا حکم مع التلاوۃ یا بدون التلاوۃ اٹھا دینے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس لئے اس مفہوم کے پیش نظر بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ نہیں ہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے اتقان میں بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن امام ولی اللہ دہلویؒ الفوز الکبیر کے باب دوم فصل دوم میں اس مفہوم کے تحت صرف پانچ آیتوں کو منسوخ مانتے ہیں اور باقی تمام آیتوں کی توجیہ فرماتے ہیں لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان پانچ آیتوں کو بھی منسوخ نہیں مانتے تھے اور حضرت شاہ صاحب کی طرز پر ان پانچوں آیتوں کی ایسی توجیہ فرماتے تھے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچوں آیتوں کا حکم بھی تا قیامت باقی ہے۔ ان پانچوں آیتوں کی توجیہ اپنی اپنی جگہ آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ بعض لوگ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ایک حکم دے کر پھر اسے واپس کیوں لیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ کے معنی پہلا حکم واپس لینے کے نہیں بلکہ اس سے پہلے حکم کی مدت کی انتہا کا بیان مقصود ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اس مدت تک تھا اس کے بعد کے لئے نہیں۔ ۱۰۷ یہاں بھی استفہام تقریر کے لئے ہے اور خطاب ہر سامع کو ہے۔ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ــــ ملك السمٰوٰت والارض مبتدا مؤخر اور له خبر مقدم ہے۔ اور اس کی تقدیم افادہ حصر کے لئے ہے یعنی زمین و آسمان کی سلطنت اور زمین و آسمان میں ہونے والے تمام امور کا اختیار صرف اللہ ہی کو حاصل ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ یہ جملہ انّ کی خبر پر معطوف ہے پہلا من ابتدائیہ اور استغراق عموم نفی کے لئے ہے (روح ص۳۵۴ ج۱، ابو سعود ص۶۷۵ ج۱) یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی تمہارا حمایتی اور یار و مددگار نہیں۔ نہ کوئی نوری نہ ناری نہ خاکی۔ یہ آیت اصل دعویٰ یعنی اعبد وا ربکم سے متعلق ہے اور اس پر عقلی دلیل ہے یعنی جب زمین و آسمان کی سلطنت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے اور اس کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں تو حاجات و مشکلات میں غائبانہ طور پر صرف اسے ہی پکارو اور اس کی عبادت اور دعا میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی حافظ و ناصر اور نگہبان نہیں۔ اس لئے غیر اللہ کے لئے کوئی ایسا لفظ مت استعمال کرو جس سے اس قسم کے شرک کا وہم بھی ہو مثلاً حضور علیہ السلام کو راعنا سے خطاب کرنا وغیرہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بے جا سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مشرکین مکہ ایک درخت کو مقدس مانتے تھے۔ اس درخت پر کھانے پینے کی اشیاء کے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اس کی تعظیم بجا لاتے اور پوجا کرتے تھے اور اسے ذات انواط کہتے تھے بعض مسلمانوں نے بھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ ہمارے لئے بھی ایک ایسا درخت مقرر فرما دیں کہ ہم بھی اس پر نذریں منتیں چڑھا کریں۔ مسلمانوں کا یہ سوال بعینہٖ ان اسرائیلیوں کی طرح تھا جنہوں نے ایک بت پرست قوم کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سفارش کی تھی کہ آپ ہمارے لئے بھی ایک ایسا بت بنا دیں تاکہ ہم اس کی پوجا کریں۔ اس لایعنی سوال پر اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں تنبیہ فرمائی (من الکبیر ص۶۶۵ ج۱ والنیشا پوری ص۳۵۸ ج۱) مگر اس روایت میں ایک بات کھٹکتی ہے اور وہ یہ کہ جن صحابہ کرام کا خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سالہا سال تزکیہ فرمایا ہو۔ اور جنہوں نے براہ راست شمع محمدی سے اپنے سینے نور توحید سے روشن کئے ہوں۔ ان سے یہ سوال بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت چونکہ مدنی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ مدینہ ہی میں پیش آیا۔ مدینہ میں سینکڑوں یہود منافقانہ طور پر مسلمان تھے۔ کیونکہ ان کا اصل مقصد اسلام کا جامہ اوڑھ کر اسلام کی تخریب کرنا تھا۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ان یہودیوں نے راعنا کا لفظ رائج کر کے مسلمانوں میں شرک داخل کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی اسی طرح ان منافقین یہود نے ہی حضور علیہ السلام سے یہ ذات انواط مقرر کرنے کا سوال کیا تھا گویا کہ مسلمانوں میں شرک داخل کرنے کے لئے انہوں نے یہ ایک اور حربہ استعمال کیا۔ جو اس وقت کامیاب نہ ہو سکا۔ ۱۰۸ یہاں "اَمْ" منقطعہ بمعنی "بَلْ" ہے اور مفید اضراب ہے یعنی ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے (بحر ص۳۴۶ ج۱) اور تریدون سے خطاب بتفصیل بالا منافقین یہود کو ہے یعنی تم نے اس بات میں غور نہ کیا کہ اللہ کے سوا کوئی یار و مددگار اور حافظ و ناصر نہیں اور تم نے راعنا کے ذریعے مسلمانوں میں شرک پھیلانے کی کوشش ترک نہ کی بلکہ شرک کی

بنیاد ہیں رکھنے کے لئے لئے سیدھے مطالبات پیش کردیئے۔ تمہارے یہ مطالبات بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے تھے ف۲۰۷ کفر کو ایمان سے تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دے اور بجائے ایمان کے کفر کو اختیار کرے۔ ای یختارہ و یاخذہ لنفسہ (ابوالسعود ص۲۶ ج ۱) یعنی جس شخص نے پیغمبر پر معاندانہ سوالات کر کے کفر اختیار کیا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ ف۲۰۸ اہل کتاب سے بعض مفسرین نے علماء یہود مراد لئے ہیں لیکن یہ کوئی علماء یہود ہی سے مخصوص نہیں۔ عیسائی پادریوں کی بھی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے اور آج پادری لوگ جس سرگرمی سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں وہ اس بات کا بین ثبوت ہے۔ آیت میں لَوْ مصدریہ ہے اور کفارًا یردون کا مفعول ثانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ یہ اہل کتاب تمہیں اسلام سے پھیر کر دوبارہ کافر بنانے کی خواہش رکھتے ہیں کبھی تو موہم شرک الفاظ تمہاری زبانوں سے کہلواتے ہیں اور کبھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری مشرکانہ رسوم جاری کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ ف۲۰۹ حَسَدًا ۔۔ وَدَّ کا مفعول لہ ہے یعنی وہ مسلمانوں کا ارتداد محض ذاتی

قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ
اس سے پہلے ف۲۰۶ اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا
سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ
سیدھی راہ سے ف۲۰۷ ف۲۰۸ دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا
لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا
کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنا دیں ف۲۰۹ بسبب اپنے دلی حسد
مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ
کے ف۲۰۹ بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ہے ان پر
الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ
حق سو تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جبتک بھیجے اللہ اپنا حکم ف۱
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ
بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قائم رکھو نماز کو اور
اٰتُوا الزَّکٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ
دیتے رہو زکوٰۃ ف۲۱۰ اور جو کچھ آگے بھیجدو گے اپنے واسطے بھلائی
تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ
پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس ف۲۱۱ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب
بَصِیۡرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ
دیکھتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو
کَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی ؕ تِلۡکَ اَمَانِیُّهُمۡ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا
ہوں گے یہودی یا نصرانی ف۲۱۳ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہدے لے آؤ
بُرۡهَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ
سند اپنی اگر تم سچے ہو کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا

النصف

۱۲ موبعض بیان

۱۲ فائدہ بحث پر پانچ شکووں کا بیان یہ پہلا شکوہ ہے ۱۲

بغض وعداوت اور حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں اور اس بغض وحسد کا سرچشمہ ان کی نفسانی خواہشات ہیں۔ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ یعنی مسلمانوں کو مرتد کرنے کے سلسلے میں ان کی سرگرمیاں کسی غلط فہمی یا نادانی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں دیدہ دانستہ کر رہے ہیں۔ تورات کے بیانات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔ اس لئے اب وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، محض رشک و حسد کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ۔ امر سے مراد حکم جہاد ہے۔ والمراد به الامر بالقتال (روح ص۳۵۵ ج ۱) اہل کتاب کی مذکورہ حرکتوں پر مسلمانوں کا اشتعال لازمی تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انتقامی کارروائی سے فی الحال منع فرمایا۔ اور عفو و درگزر کا حکم دیا یعنی جہاد کا حکم آنے تک صبر وسکون اور عفو ودرگذر سے کام لو۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ وہ جب چاہے گا ان سرکشوں اور معاندوں سے انتقام لے لیگا اور اسلام اور اہل اسلام کی مدد کریگا۔ ف۲۱۰ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ جب تک جہاد کا حکم نہیں آتا اس وقت تک نماز، زکوٰۃ اور دوسرے اسلامی احکام کی پابندی کرتے رہو۔ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ امور مصلحہ میں سے ہیں ان سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے جس سے ایک طرف تو دشمنوں کی تکلیف و اذیت پر صبر وسکون کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف ان سے عقیدۂ توحید میں پختگی اور استواری پیدا ہوتی ہے جو مسلمان کو دشمنانِ توحید اور باغیانِ اسلام سے جہاد کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ ف۲۱۱ پہلے عفو و درگذر اور نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ یہاں انہیں احکام کی ترغیب فرمائی کہ اگر تم ان میں سے کوئی سا نیک کام کرو گے تو وہ ضائع نہیں کیا جائیگا بلکہ اس کا ثواب اللہ کے پاس محفوظ رہیگا جسے تم آخرت میں اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ یہ بھی ماقبل کی تاکید ہے یعنی تمہیں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا بدلہ بھی ملیگا کیونکہ تمہاری ہر نیکی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے لہذا نیکی کے ضائع ہونے کا وہاں ادنیٰ احتمال بھی نہیں۔

اہل کتاب اور مشرکین مسلمانوں کے خلاف ہر حربہ استعمال کر چکے۔ انہیں شرک پھیلانے اور انہیں گمراہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر چکے انہیں ہر موقع پر ناکامی اور نامرادی کا سامنا کرنا پڑا تو اب انہوں نے پینترا بدل کر ایک اور پروپیگنڈہ شروع کر دیا یعنی اپنے غلط اور مشرکانہ عقائد اور اعمال کو عجیب رنگ آمیزی اور ملمع سازی سے مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے لگے۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ان ناشائستہ حرکات کا شکوہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معقول وجوہ سے انکی اصلاح بھی فرمادی ہے

پانچ شکوے

پہلا شکوہ ف۲۱۲ یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ آخرت میں نجات صرف یہودیوں کی ہوگی اور عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے بغیر جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے

موضح قرآن ف۱ یعنی یہود کے بہکائے سے تم اپنے نبی پاس شبہے نہ لاؤ جیسے وہ اپنے نبی پاس لائے تھے۔ شبہے نکالنے گویا یقین چھوڑ کر انکار پکڑنا ہے ۱۲ فتح الرحمٰن ف۱ یعنی امر کند بجہاد ایشاں ۱۲

گناہوں کا کفارہ اور نجات دہندہ سمجھتے تھے اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو۔ دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ وہ پیرزادے اور پیغمبر زادے ہیں۔ اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ اس لئے جنت صرف انہی کے لئے ہے۔ درحقیقت یہود و نصاریٰ اس دعویٰ سے اسلام پر ضرب لگانا چاہتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام سے برگشتگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ نجات تو صرف ان کے دین سے وابستہ ہے۔ لہٰذا ان کے دین کی موجودگی میں دین اسلام کی کیا ضرورت ہے۔ آگے اس دعویٰ کی تردید ہے۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ۔ امانی کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے کہ اس سے مراد ان کی باطل اور جھوٹی خواہشات ہیں اور ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ ای شهواتهم الباطلة التی تمنوها (معالم وخازن ص۸۳ ج۱) یعنی یہ محض آرزوئیں ہی آرزوئیں ہیں قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یہود و نصاریٰ کی تبکیت اور انہیں لاجواب کرنے کے لئے ان سے ان کے دعوٰی پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے یعنی اگر تم اپنے مذکورہ دعویٰ میں سچے ہو تو اس پر کوئی دلیل پیش کرو۔ اس کے بعد نجات اخروی کا اصل قانون بیان فرمایا ہے۔ ۲۱۳ بلیٰ یہود و نصاریٰ کے دعوٰی کی تردید و تکذیب کے لئے لایا گیا ہے وَجْهَهٗ کے معنی چہرے کے ہیں لیکن یہاں مجازاً اس سے مراد ذات یا ارادہ اور قصد ہے۔ یعنی اس نے اپنی ذات کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا۔ اخلص له نفسه او قصده فلم يشرك به تعالىٰ غيره او لم يقصد سواه۔ (روح ص۳۶۲ ج۱) وَهُوَ مُحْسِنٌ اَسْلَمَ کے فاعل سے حال ہے۔ جب یہود اور نصاریٰ نے دعوٰی کیا کہ ان کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ تو اس کا جواب دیا گیا کیوں نہیں جس نے بھی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور صرف اسی کا ہو کر رہ گیا اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا۔ اور ہر کام میں صرف اللہ کی رضا کو مد نظر رکھا تو اس کا اجر ہرگز ضائع نہیں ہوگا بلکہ خدا کے یہاں محفوظ رہیگا۔ تو معلوم ہوا جنت میں صرف وہ جائے گا۔ جو شرک نہ کرے لہٰذا یہود و نصاریٰ کا دعوٰی غلط ہے کہ ان کے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ کیونکہ وہ تو حضرت عزیر اور حضرت مسیح کی عبادت کرتے اور ان کو پکارتے تھے۔ ۲۱۴ اس جملے کی تینوں ضمیریں مَنْ کی طرف راجع ہیں کیونکہ وہ معنیً جمع ہے یعنی ان لوگوں کو آخرت میں نہ گزشتہ زمانہ پر افسوس ہوگا نہ آئندہ کا غم ستائے گا۔

دوسرا شکوہ ۱۴۵

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪

منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس ۲۱۳

ع ۱۳ ۱۳

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ

اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۲۱۴ ف۱ اور یہود تو کہتے ہیں کہ

الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى

نصاریٰ نہیں کسی راہ پر ۲۱۵ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ

لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

یہود نہیں کسی راہ پر باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ۲۱۶ ان ہی کی سی بات

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

اب اللہ حکم کریگا ان میں قیامت کے دن جس بات میں وہ

تیسرا شکوہ ۱۴۶

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

جھگڑتے تھے ۲۱۷ ف۱ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں

اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا ۲۱۸ اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں ایسوں کو

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ

لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ۲۱۹ ان کیلئے

فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے ف۲ ف۳

متعلق بمن اظلم ممن منع مساجد اللہ ۱۴۷

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ ۲۲۰

دوسرا شکوہ:۔ ۲۱۵ یہودیوں نے کہا کہ نصاریٰ کا دین باطل ہے کیونکہ وہ تثلیث اور الوہیت مسیح کے قائل ہیں۔ انہوں نے شرک کو اپنا دین بنایا ہوا ہے لہٰذا ان کا دین غلط ہے وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ اور عیسائی بولے کہ یہودیوں کا دین باطل ہے اور غلط ہے کیونکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام اور انجیل مقدس کو نہیں مانتے۔ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ۔ الکتاب میں الف لام جنس کے لئے ہے اور اس سے مراد تورات اور انجیل ہے یعنی یہ دونوں فریق اپنی اپنی کتاب پڑھتے ہیں اور پھر ایسا دعوٰی کرتے ہیں جس کی تردید خود ان کی اپنی کتاب کرتی ہے یا الکتاب سے مراد تورات ہے کیونکہ تورات کو نصاریٰ بھی مانتے ہیں مطلب یہ کہ دونوں فریق ایک ہی کتاب کو مانتے ہیں۔ پھر اس کے باوجود ایک دوسرے کے دین کا ابطال کرتے ہیں۔ ۲۱۶ اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جو لوگ علم نہیں رکھتے جن کے پاس کتاب اور اللہ کا دیا ہوا رشد و ہدایت کا علم نہیں ہے۔ یہاں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ وهم مشركوا العرب فی قول الجمهور (روح ص۳۶۴ ج۱) مِثْلَ قَوْلِهِمْ۔ ان اہل کتاب اور اہل علم کی طرح مشرکین عرب بھی ایسے ہی دعاوی کیا کرتے تھے۔ اور اپنے دین جاہلیت اور شرک کے سوا باقی تمام ادیان کو باطل سمجھتے تھے۔ قالوا لاهل كل دين ليسوا علی شیء

موضح قرآن ف۱ جن پاس علم نہیں وہ عرب لوگ ہیں کہ آگے حضرت ابراہیم کا دین رکھتے تھے پھر آخر بہک بت پوجنے لگے۔ ایسے شخص کو مشرک کہتے وہ اپنی ہی راہ حق بتاتے تھے۔ ف۲ نصاریٰ آپ کو منصف جانتے تھے اور یہود کو ظالم کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دشمنی کی اور ہم نے ان کو مانا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب نصاریٰ نے غلبہ پایا تو مسجد بیت المقدس کو ویران کیا اور یہود کی مسجدیں اجاڑیں یہود کی ضد سے یہ کیا انصاف ہے کہ آدمیوں کی ضد سے اللہ کی مسجدیں ویران کریں اور فرماتا ہے کہ یہ بھی لائق نہیں کہ اس ملک میں حاکم رہیں۔ آخر اللہ نے وہ ملک شام مسلمانوں کے ہاتھ لگایا۔

فتح الرحمن ف۱ دیگر از مقولات اہل کتاب آں بود کہ ہر فرقہ از یہود و نصاریٰ دیگر را انکار میکرد و اشارت بہمیں معنی است ایں آیت ۱۲ ف۲ درآیت تعریض است بکفار مکہ و اشارت بمغلوب شدن ایشاں واللہ علم۔ دیگر از مقولات یہود آں بود کہ چوں استقبال بیت المقدس منسوخ شد استہزا می کردند۔ اشارت بہمیں معنی است دریں آیت ۱۲

(مدارک ص۵۵ ج۱) قالوا فی نبیہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ انہم لیسوا علی شیء من الدین (معالم ص۹۳ ج۱) جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کا یہ دعویٰ بھی عرب کے جاہل مشرکوں کے دعویٰ کیطرح سراسر جاہلانہ اور احمقانہ ہے۔ ۲۱۷ بینہم کی ضمیر یہود ونصاریٰ کی طرف راجع ہے۔ یوم القیٰمۃ فیما دونوں ظرفیں یحکم کے متعلق ہیں۔ فیہ یختلفون کے متعلق ہے یعنی دنیا میں تو یہ جھگڑتے ہی رہیں گے۔ ان کے جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ تو قیامت کے دن خدا ہی کریگا۔

تیسرا شکوہ۔ ۲۱۸ من یہاں استفہام انکاری کیلئے ہے یعنی خدا کے گھروں سے روکنے والوں سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ ولا یراد بالاستفہام حقیقتہ وانما ھو بمعنی النفی فیؤل الی الخبرای لا احد اظلم من ذلک (روح ص۳۶۳ ج۱) من منع اور مساجد اللہ میں مفسرین نے بعض روایات کی بنا پر تخصیص کی ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے نکالا۔ اور بیت المقدس کو مسمار کیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مقام حدیبیہ پر بیت اللہ سے روکا لیکن بہتر یہی ہے کہ آیت اپنے عموم پر رہے۔ اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہو جو مسجدوں کو غیر آباد کرے خواہ انہیں گرا کر خواہ ان میں خالص توحید کے ذکر سے روک کر خواہ ان میں شرک کی تبلیغ اور غیر اللہ کی پکار کے ذریعے۔ وظاھر الایۃ العموم فی کل مانع وفی کل مسجد وخصوص السبب لا یمنعہ (روح ص۳۶۳ ج۱) مساجد اللہ مبدل منہ ہے اور ان یذکر فیہا اسمہ بدل الاشتمال ہے۔ اور اللہ کے ذکر سے یہاں مطلق ذکر مراد نہیں کیونکہ اس سے تو دنیا کا کوئی کافر سے کافر انسان بھی نہیں روک سکتا۔ بلکہ ذکر اللہ سے نفی شرک اور توحید کے ساتھ اللہ کا ذکر مراد ہے۔ ای ان یذکر فیہا اسمہ وحدہ کما قالہ الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے گھروں میں خالص توحید کے ساتھ خدا کے ذکر سے روکتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی یا مشرک اور خواہ کوئی آج کل کا بناسپتی مسلمان۔ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا تخریب عام ہے۔ خواہ عمارت کے گرانے سے ہو اور خواہ خالص توحید کے ساتھ خدا کے ذکر اور نماز سے روکنے کے ذریعہ ہو۔ **۲۱۹** انہیں تو خدا کے گھروں میں ان کی تعظیم وحرمت کی بنا پر ڈرتے ڈرتے داخل ہونا چاہیئے تھا۔ چہ جائیکہ یہ ظالم ان کی تخریب کے درپے ہو جاتے۔ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ایسے ظالموں کے لئے دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں عذاب جہنم ہے۔ **۲۲۰** اس آیت میں خطاب مسلمانوں کو ہے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ اگر کفار و مشرکین تمہیں مسجدوں سے روکیں تو تم فکر مت کرو۔ مشرق ومغرب اور باقی تمام اطراف اللہ ہی کی ہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اکرو وہیں سے قبلہ رخ ہو کر میری عبادت کر لیا کرو اور نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ تم جہاں بھی اسے پکارو گے وہ تمہاری پکار سنے گا۔ ای ففی ای مکان فعلتم التولیۃ شطر القبلۃ (روح ص۳۶۵ ج۱، مدارک ص۵۵ ج۱) اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ کی حکومت اور رحمت بہت وسیع ہے اور وہ بندوں کے مصالح سے بخوبی واقف ہے اسی لئے اس نے عبادت کے معاملہ میں کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی کہ یہاں عبادت کرو اور یہاں نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۙ
بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنیوالا سب کچھ جاننے والا ہے ۲۲۱ اور کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد ۲۲۱
سُبْحٰنَہٗ ؕ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلٌّ
وہ تو سب باتوں سے پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں ۲۲۲ سب
لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا
اسی کے تابعدار ہیں نیا پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا ۲۲۳ اور جب
قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَ
حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے اور
قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ
کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے ۲۲۴ کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی
اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ؕ
ہمارے پاس کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات ۲۲۵
تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
ایک سے ہیں دل ان کے بیشک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں ف۱
اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ
بیشک ہم نے تم کو بھیجا ہے سچا دین دیکر ۲۲۶ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں
اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا
دوزخ میں رہنے والوں کی ف۲ اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ
النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ؕ قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ
نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا تو کہدے جو راہ اللہ بتاوے
ھُوَ الْھُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ
وہی راہ سیدھی ہے۔ اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس

چوتھا شکوہ۔ ۲۲۱ قالوا کا فاعل یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب تینوں گروہ ہیں۔ کیونکہ تینوں کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اتخذ اللہ ولدا سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے لئے حقیقی اولاد ثابت نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کو اس قدر پیارے

موضح قرآن ف یعنی یہود ونصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخصوص ایک طرف نہیں اس کے حکم سے جس طرف منہ کرو وہ متوجہ ہے۔ ۱۲ **ف۲** یعنی اگلی امت جو موجود تھے وہ بھی اپنے نبی سے یہی کہتے تھے جواب کے لوگ کہنے لگے ۱۲ **ف۳** یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں کیا ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ دیگر از سفاہات اہل کتاب آں بود کہ یہود عزیر را ونصاریٰ عیسیٰ را پسر خدا می گفتند خدا تعالیٰ نازل کرد ۱۲

ہیں کہ اس نے ان کو بیٹے بنالیا ہے اور بیٹے سے ان کی مراد نائب و مختار تھی یعنی جس طرح بیٹا اپنے باپ کا نائب ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے اختیارات میں سے کچھ اختیارات دیکر اور اپنے نائب بنا کر دنیا میں بھیجا ہوا ہے۔ اب وہ اللہ کے عطائی اختیارات مثلاً علمِ غیب، حاجت روائی، مشکل کشائی وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔ ان کی غائبانہ پکار سنتے اور ان کی حاجات و مشکلات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ اب آگے اس کا جواب ہے ۲۲۲ زمین و آسمان کی ہر مخلوق خدا کی مملوک اور ہر چیز اس کی ملکیت ہے خواہ انبیاء ہوں یا ملائکہ۔ خواہ اللہ کے نیک بندے اور دیگر اشیاء۔ لہٰذا یہ سب خدا کے مملوک ہوئے تو پھر اسکے بیٹے کس طرح بن سکتے ہیں۔ نیز بیٹے کی ضرورت تو اسکو ہوتی ہے جو محتاج ہو اور فانی ہو تاکہ اس کا نام زندہ رہے اور اس کا کوئی وارث ہو سکے، تو اللہ تعالیٰ تو محتاج نہیں اور نہ وہ فانی ہے وہ زمین و آسمان کا تنہا مالک و بادشاہ ہے۔ زمین و آسمان کے تمام اختیارات اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے اسے کسی نائب یا وارث کی ضرورت نہیں۔ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق جن میں حضرت عزیرؑ حضرت مسیحؑ اور ملائکہ کرام بھی شامل ہیں سب خدا کے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ اور اس کی ربوبیت کے مقر اور اسکے دربار میں اپنی عبدیت کے معترف ہیں۔ اور اپنی حاجات میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کے بیٹے کیونکر بن سکتے ہیں بلکہ وہ تو اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ۲۲۳ وہ زمین و آسمان کو بغیر کسی کی مدد کے اور بغیر کسی سابقہ مثال کے از سر نو پیدا کرنے والا ہے اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا۔ یہاں قضٰی بمعنیٰ اراد ہے۔ ای اراد شیئًا (روح ص۳۶۶ ج ۱) یعنی وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ تو بس ارادہ کرتے ہی وہ چیز وجود میں آجاتی ہے کُنْ کہنے سے ہوجانا یہ سرعت اور جلدی سے کنایہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ لفظ کُن بولتا ہے تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ وہاں تو صرف ارادہ کی دیر ہوتی ہے کہ چیز پیدا ہوجاتی ہے وھذا مجاز عن سرعۃ التکوین وتمثیل ولا قول ثم (مدارک ص۵۶ ج ۱) تو جب اللہ تنا زبردست اور قادر ہو کہ صرف ارادہ کرے اور کام ہو جائے تو تم ہی بتاؤ کہ اسے نائبوں کی کیا ضرورت ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی ولد اور نائب نہیں۔

پانچواں شکوہ

۲۲۴ چوتھا شکوہ توحید میں گڑبڑ کرنے سے متعلق تھا۔ اور یہ رسالت پر جرح وقدح سے متعلق ہے۔ الذین لا یعلمون سے بعض نے مشرکین عرب مراد لئے ہیں اور بعض نے یہود و نصاریٰ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سے تینوں گروہ مراد ہوں کیونکہ بے جا اور معاندانہ سوال تینوں گروہوں سے ثابت ہیں مشرکین نے مطالبہ کیا تھا فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (انبیاء ع ۱) اور یہود و نصاریٰ کے متعلق ارشاد ہے يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (نساء ع ۲۲) باقی رہی یہ بات کہ مشرکین تو بے علم

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنیوالا اور نہ مددگار ۲۳۰ ف۱

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اسکے پڑھنے کا ۲۳۱ وہی

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اس پر یقین لاتے ہیں ۲۳۲ اور جو کوئی منکر ہو گا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں ۲۳۳ ف۱ ف۲

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کئے

وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ

اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر ۲۳۴ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا

کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى

کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے ۲۳۵ ف۳ اور جب آزمایا

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ

ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں ۲۳۶ پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کرونگا

لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ

سب لوگوں کا پیشوا ۲۳۷ بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا

عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً

میرا اقرار ظالموں کو ۲۳۸ ف۲ اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ

لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی ۲۳۹ اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو

ع ۹ / ۱۴

۲۳۰ دلیل نقلی از مومنین اہل الکتاب ۱۲

۲۳۱ خاتمہ بحث از تجدید یاد دہانی بنی اسرائیل کو دوبارہ یاد دہانی ۱۲

۲۳۲ تمہید برائے بیان صداقت رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

موضح قرآن

ف۱ یعنی یہود میں کم لوگ بالانصاف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر وہ اس قرآن پر ایمان لائے ایک ان کے عالم تھے عبداللہ بن سلام ان کے ساتھ کئی اور بھی مسلمان ہوئے۔ ف۲ بنی اسرائیل بہت مغرور اس پر تھے کہ ہم اولاد ابراہیم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو وعدہ دیا کہ نبوت اور بزرگی تیرے گھر میں رہے گی اور ہم ابراہیمؑ کے دین پر ہیں اور اس کا دین ہر کوئی مانتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے کہ اللہ کا وعدہ ابراہیمؑ کی اولاد کو ہے جو نیک راہ پر چلیں اور اس کے دو بیٹے تھے پیغمبر ایک مدت اسحٰقؑ کی اولاد میں بزرگی تھی۔ اب اسمٰعیلؑ کی اولاد کو پہنچی اور اس کی دعا ہے دونوں کے حق میں اور فرماتا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ ایک ہے۔ سب پیغمبر اور سب امتیں اسی پر گذریں وہ یہ کہ جو حکم اللہ کا پہنچے پیغمبر کے ہاتھ سو قبول کرنا۔ اب مسلمان ہیں اسی راہ پر اور تم اس سے پھر کر ہو۔

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید ازیں جا تا سیقول السفہاء خدائے تعالیٰ اثبات می فرماید نبوت پیغمبر ما را صلی اللہ علیہ وسلم از قصہ دعائے ابراہیمؑ کہ در توریت مذکور است و ترجیح می دہد ملت حنیفیہ را کہ حضرت پیغامبر ما برائے آں مبعوث شدند و رد میکند قول یہود را کہ حضرت یعقوب مارا بیہودیت وصیت کردہ است و از تفریق در انبیاء نہی میفرماید یعنی معتقد بعضے باشد و منکر بعضے واللہ اعلم۔ ف۲ یعنی آناں کہ توریت می فہمند تصدیق شریعت محمدیہ می کنند و آنانکہ تصدیق آں نمی کنند توریت را نفہمیدہ اند ۱۲

ہوئے۔ کیونکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب نہیں تھی۔ اہل کتاب کیسے لا یعلمون کے تحت داخل ہوں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی جاہلانہ حرکات اور بدعملی کی بنا پر ان کے علم کی نفی کی گئی ہے دعلی لاخبرین لتجاھلھم اولعدم عملھم بمقتضاہ (روح ص۳۷۲ ج ۱) لَوۡلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام کرتا ہے یا جس طرح انبیاء کی طرف وحی بھیجتا ہے اس طرح وہ براہِ راست یا بذریعہ وحی ہم سے کیوں ہمکلام نہیں ہوتا۔ اور براہِ راست ہمیں ہی ہدایت نامہ کیوں نہیں دیدیتا اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل مراد ہے۔ یہ سوالات ان کی انتہائی سرکشی اور ضد و عناد کا نتیجہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے واضح دلائل ان کے سامنے تھے۔ وہ کئی ایک معجزات بھی دیکھ چکے تھے مگر اس کے باوجود مزید دلائل کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس لیے کہ ماننا مقصود نہیں تھا بلکہ محض ضد و عناد اور بغض وحسد کا اظہار مدنظر تھا۔ **۲۲۵** یعنی یہ سرکشانہ اور معاندانہ رویہ کوئی ان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ ان سے پہلے ان کے آباؤ اجداد بھی ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰۤی اَکۡبَرَ مِنۡ ذٰلِکَ (نساء ع ۲۲) تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ بے بصیرتی اور ضد و عناد میں ان کے اور ان کے بڑے بڑوں کے دل ملے ہوئے ہیں۔ نہ ان کے سوالات طلبِ حق پر مبنی تھے نہ ان کے مطالبات کسی نیک غرض پر مبنی ہیں۔ ای قلوب ھؤلاء ومن قبلھم فی العمی والعناد (روح ص۳۷۲ ج ۱) قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ ان لوگوں کا مقصد محض سرکشی اور ضد ہے۔ ورنہ دلائل وآیات کو تو ہم کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ جو لوگ صدق نیت کے ساتھ حق و یقین کی جستجو کرنے والے ہیں ان کے اطمینان کے لئے تو وہ آیات کافی وشافی ہیں۔ الطالبون معرفۃ حقائق الاشیاء علی یقین وصحۃ (ابن جریر ص۳۸۸ ج ۱) ای یطلبون الیقین (ایضاً دی صفہ ۳۶) البتہ ضد و عناد کا کوئی علاج نہیں۔ **۲۲۶** حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے اور ظرف ارسلنا کے متعلق ہے (کبیر ص۲۲ ج ۱) بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا یہ ضمیر خطاب سے حال ہے وَّ لَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ ۝ جو لوگ کفر وانکار کر کے جہنم میں چلے گئے ان کے متعلق آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کی تبلیغ کا ان پر اثر کیوں نہیں ہوا، وہ ایمان کیوں نہیں لائے اور جہنم میں کیوں چلے گئے۔ جب اہل کتاب و مشرکین کا کفر وانکار، ضد اور عناد کی حد تک پہنچ گیا۔ تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض شفقت علی الخلق کی بنا پر رنج اور افسوس ہوا۔ کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ اس فکر میں کیوں پڑتے ہیں۔ ہم نے آپ کو قرآن جیسی حق وصداقت اور رشد وہدایت سے لبریز کتاب دیکر بھیجا ہے اور آپ کا فرض صرف یہ ہے کہ آپ تبلیغ کا حق ادا کریں اور ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو ڈراوا سنا دیں۔ باقی رہا منوانا تو یہ آپ کا فرض نہیں اور نہ ہی یہ آپ کے بس کی بات ہے۔ اس لئے جو لوگ کفر وانکار کر کے جہنم میں جاتے ہیں جائیں ان کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں ہوگا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے عدم ایمان کا آپ کی طرف سے عذر بیان فرمادیا کہ اس بدانجام کا سبب وہ خود ہیں۔ آپ کی تبلیغ کا قصور نہیں۔ بے بسی وبیچارگی کی حد ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالک مختار اور متصرف ہوتے تو دنیا میں کوئی کافر نظر نہ آتا بلکہ آپ سب کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتے۔ اب آگے یہود ونصاریٰ کی اسلام سے شدتِ عداوت اور صلابت علی الکفر کا بیان فرمایا ہے۔ **۲۲۷** یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور زجر وتنبیہ فرمایا کہ وہ شرک وگمراہی میں اس قدر پختہ ہیں کہ کبھی توحید کو نہیں مانیں گے اس لئے آپ ان کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود ونصاریٰ کے مسلمان ہوجانے کی انتہائی خواہش تھی اور آپ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرماتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس معمولی ملاطفت سے یہ راضی ہونے کے نہیں۔ یہ تو آپ سے صرف اسی صورت میں راضی ہوسکتے ہیں کہ آپ ان کی شریعت کی اتباع کرلیں اور ان کا دین اپنالیں۔ یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا نائب اور متصرف ومختار سمجھ کر پکارتے ہیں، آپ بھی ان کو پکارنا شروع کردیں اور ان کی دیگر مشرکانہ اور جاہلانہ رسمیں بجالائیں تو بس یہ لوگ آپ سے راضی ہوجائیں گے۔ اس طرح آپ کے دل میں ان کے ایمان لانے کی جو ادنیٰ سی امید تھی اسے بھی ختم کردیا۔ گویا ان کا ایمان لانا امکان سے باہر ہے کیونکہ اسے ایک امر محال پر معلق کیا گیا ہے۔ نہ حضور علیہ السلام ان کے دین کی پیروی کرسکتے ہیں نہ وہ ایمان لاسکتے ہیں۔ ملت سے مراد شریعت اور دین ہے۔ **۲۲۸** یہود ونصاریٰ کے گذشتہ مقالات وحالات ان کے اس دعویٰ پر مبنی تھے کہ صرف ان کا دین ہی حق ہے اور ہدایت صرف یہودیت اور عیسائیت میں ہے تو اس کا جواب دیا کہ ان کا دعویٰ باطل ہے بلکہ اصل ہدایت تو دین اسلام میں ہے۔ ہُدی اللہ سے مراد اسلام ہے ؎ ھُدَی اللّٰہِ ..... وھو الاسلام الذی انت علیہ ھو الھدی (بحر ص۳۶۸ ج ۱) یعنی اے پیغمبر! اللہ کی ہدایت یعنی دین اسلام جس پر آپ ہیں اور جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں۔ اصل ہدایت یہی ہے جو اللہ کو پسند ہے اور جو آخرت میں کام آنے والی ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کو متنبہ اور خبردار کیا گیا ہے کہ کہیں یہود ونصاریٰ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنی عاقبت نہ خراب کرلیں۔ **۲۲۹** اَھۡوَآءَ ہویٰ کی جمع ہے جس کے معنی نفس کی خواہش کے ہیں۔ اہواء سے مراد ان کے وہ باطل عقائد ہیں جو انہوں نے محض خواہشاتِ نفسانیہ کے پیچھے لگ کر بنائے ہوئے تھے اور جنہیں وہ ملت اور دین کے نام سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ای اٰراءھم الزائغۃ المنحرفۃ عن الحق الصادرۃ عنھم بتبعیۃ شھوات انفسھم (روح ص۳۷۲ ج ۱) جس طرح آج کل کے بعض پیروں اور مولویوں نے نفسانی خواہشات اور شیطانی وساوس کو دین بنایا ہوا ہے اور جو ان کے خانہ ساز دین کو نہ مانے وہ ان کے نزدیک مردود اور راندۂ خدا ہے۔ ولئن اتبعت میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر آپ کی وساطت سے یہ خطاب آپ کی امت کو بھی شامل ہے۔ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ علم سے مراد وحی ہے یعنی اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے حق وباطل واضح ہوجانے کے بعد اور یہود ونصاریٰ کے عقائد کا بطلان وفساد آشکارا ہوچکنے کے بعد اگر تم میں سے کسی نے ان کی خواہشات باطلہ کی پیروی کرلی۔ **۲۳۰** یہ لئن کا جواب ہے یعنی اگر تم میں سے کسی نے ان کی پیروی کرلی تو اس کا کوئی حمایتی اور یار ومددگار نہیں ہوگا۔ جو اسے اللہ کے عذاب سے بچاسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود ونصاریٰ کی خواہشات کی طرف تو ادنیٰ سا جھکاؤ بھی متصور نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ کو مخاطب کر کے یہ تنبیہ کیوں کی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی امت کو دینِ باطل اور شرک وبدعت کے اتباع کے خوفناک اور دردناک انجام سے شدت ومبالغہ کے ساتھ روکنا مقصود ہے تاکہ ان کے ذہن میں یہ بات جانشین ہوجائے کہ شرک وبدعت کا اتباع اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اگر بفرضِ محال وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی (نعوذ باللہ) سرزد ہوجائے تو اس کی سزا سے انہیں بھی مستثنا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے حق میں کسی پیغمبر، فرشتے یا پیر کی سفارش قبول کی جائے گی تو پھر ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ اس سے امتِ محمدیہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ فیہ تھدید ووعید شدید للامۃ عن اتباع طرائق الیھود والنصاریٰ بعد ما علموا من القرآن والسنۃ (ابن کثیر ص۱۶۳ ج ۱) افسوس کا مقام ہے کہ آج توحید وسنت کی جگہ شرک وبدعت کو دین سمجھ کر اس کی اتباع کی جارہی ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا، بزرگوں کی نذریں منتیں دینا، قبروں پر عرس لگانا، قبروں پر غلاف ڈالنا اور چراغ جلانا وغیرہ آ دین اسلام کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ العیاذ باللہ العظیم۔

دعویٰ توحید پر نقلی دلیل

یہاں تک تو اہل کتاب میں سے نہ ماننے والوں کا ذکر تھا اب آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان میں سے ایمان لے آئے جنہوں نے تورات کو کما حقہ پڑھا۔ اس میں کسی قسم کی تحریف نہ کی اور پھر اس کی تعلیم کے مطابق عمل بھی کیا۔ اس آیت کا تعلق اصل دعویٰ اُعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ سے ہے اور یہ اس دعویٰ کی نقلی دلیل ہے۔ **۲۳۱** موصول عہد کے لئے ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لا چکے تھے بشلاً عبداللہ بن سلام، ابن صوریا اور ابن یامین وغیرہ قال الضحاک ھم من اٰمن من الیھود کابن سلام وابن صوریا وابن یامین (بحر ص۳۶۹ ج ۱) الکتٰب سے مراد تورات وانجیل ہیں علی ارادۃ الجنس اور تلاوت کے معنی یہاں اتباع اور پیروی کے ہیں جیسا کہ والقمر اذا تلاھا میں تلا بمعنی اتبعھا وذھب علی اثرھا کے ہیں۔ ای یتبعونہ حق اتباعہ ..... قال عکرمۃ اما سمعت

قول للہ تعالیٰ والقمر اذا تلاھا (قرطبی ص۹۵ ج۲) یعنی وہ اہل کتاب اپنی کتاب کی اتباع کا حق ادا کرتے ہیں حق اتباع یہ ہے کہ وہ اس کے تمام اوامر ونواہی کی تعمیل کرتے ہیں اور اس میں لفظی یا معنوی تحریف نہیں کرتے اور اگر تلاوت بمعنی قرارت ہو تو مطلب پھر بھی یہی ہوگا کہ وہ اسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح وہ نازل ہوئی ہے اور اس میں تحریف نہیں کرتے۔ یقرؤنہ کما انزل اللہ، ولا یحرفون الکلم عن مواضعہ ولا یبتاء ولونہ علی غیر الحق (کبیر ص۲۰۰ ج۱) ٢٣٢ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ بہ کی ضمیر کو بعض مفسرین نے الکتاب کی طرف راجع کیا ہے اور اسے راجح قرار دیا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اور اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا اور تنوع عبارت او رتاکید کے بغیر جملہ ثانیہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو کیونکہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ میں آپ کا ذکر گذر چکا ہے تو اس صورت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہوگا۔ یا ضمیر ھُدَى اللّٰهِ کی طرف راجع ہو۔ (بحر ص۳۷۰ ج۱) تو دونوں صورتوں میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو اہل کتاب اپنی کتاب کو کما حقہٗ پڑھتے ہیں اس کے اوامر ونواہی کی تعمیل کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں کرتے وہ تو اس آخری نبی ﷺ کو مانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں یا اس کی لائی ہوئی ہدایت کو مانتے ہیں۔ جب تمہارے یہ علماء تسلیم کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ پیغمبر سچا ہے اور جو دعویٰ توحید اس نے پیش کیا ہے وہ بھی صحیح اور درست ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس پیغمبر کی صداقت اور اس کی پیش کردہ دعوتِ توحید کی حقانیت خود ان کی اپنی کتاب میں بھی مذکور رہے تبھی تو انہوں نے ان کی تصدیق کی ہے اس طرح یہ آیت دعویٰ توحید کی نقلی دلیل ہوگی۔ ٢٣٣ جن لوگوں نے اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کا انکار کیا وہ سخت خسارے میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے ایمان کے عوض کفر خرید کر سودا ہی ایسا کیا ہے جس میں سراسر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعامات واحسانات کا ایک ایک کر کے ذکر کیا ہے پھر ان کی شرارتوں اور خباثتوں کو واضح فرمایا ہے۔ ان کی سرکشی اور ضد وعناد کی مثالیں بیان کی ہیں سب کچھ یاد دلا کر آخر میں انعامات یاد کرنے اور عذاب وانتقام سے ڈرنے کا حکم دیا ہے اس مکرر ترغیب وترہیب کے بعد اس سلسلہ مضامین کو ختم کر دیا ہے نیز یہ ترغیب وترہیب آئندہ مضامین کیلئے بطور تمہید لائی گئی ہے۔ ٢٣٤ میرے ان تمام انعامات کو یاد کرو جو ابھی ابھی تمہیں یاد دلائے ہیں خصوصاً اس نعمت توحید کو جس کی وجہ سے تمہارے اسلاف کو دنیا میں سب سے اونچا اور ممتاز مقام حاصل ہوا۔ ٢٣٥ میرے پیغمبر پر ایمان لے آؤ اور دعوت توحید مان لو ورنہ قیامت کے دن تیرے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اس آیت کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے

حصہ دوم۔ رسالت وما یتعلق بہا

یہ حصہ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ سے شروع ہو کر پانچویں رکوع میں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ پر ختم ہوا ہے۔ پہلے مختصر سی تمہید ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور حقیقتِ نبوت پر یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے مسلمات سے دلائل پیش کئے گئے ہیں پھر رسالت پر چند شبہات کے جوابات اور آخر میں پیغام رسالت یعنی مسئلہ توحید کی مزید عقلی دلائل سے وضاحت کی گئی ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں مذہبی لحاظ سے تین گروہ زیادہ مشہور ومعروف تھے (۱) مشرکین عرب، (۲) یہودی، (۳) نصاریٰ ـــــ یہ تینوں گروہ نسلی اور روحانی اعتبار سے اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسلک کرتے تھے۔ مشرکین عرب بت پرستی کے باوجود اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبع ہونے کے مدعی تھے اور یہ نرا دعویٰ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ شریعت ابراہیمی کے بعض اعمال بھی بجا لاتے تھے۔ گو ان اعمال کی شکل وصورت مسخ کر ڈالی تھی۔ مثلاً حج کرنا، قربانی دینا، ڈاڑھی رکھنا، ختنہ کرانا وغیرہ اور حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام سے محبت وعقیدت غلو کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے بت بنا کر بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کی نذریں منتیں دیتے، ان کے نام پر ساندھ چھوڑتے اور انہیں حاجت روا مشکل کشا اور عالم الغیب سمجھ کر غائبانہ پکارتے تھے۔ اسی طرح یہودی اور عیسائی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ اور ہر دو فریق کا دعویٰ تھا کہ وہ ان کے مذہب پر ہیں اور ان کا مذہب انہیں سے چلا ہے۔ ان کے علاوہ یہود ونصاریٰ حضرت اسحٰق حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور اس سلسلے کے باقی تمام پیغمبروں کو بھی مانتے تھے۔ نصاریٰ ان سب کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قائل اور متبع تھے۔

مخاطبین کے نزدیک ان مسلم شخصیات کی تصدیقات کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دو دلیلیں بیان کی گئی ہیں پہلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ وہی پیغمبر ہے جس کی آمد اور بعثت کیلئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر خدا کی جناب سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اس شہر مکہ میں ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیرے احکام سنائے، تیرا دین سکھلائے اور ان کے ظاہر وباطن کا تزکیہ کرے۔ اب وہ رسول آگیا ہے اور بالکل انہیں صفات سے متصف ہے جو دعائے ابراہیم میں مذکور تھیں۔ لہٰذا اگر تم ابراہیمی ہونے کے دعویٰ میں سچے ہو تو اس پیغمبر کو مان لو جو ان کی دعا کا ثمرہ ہے۔ دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کے سلسلہ کے باقی تمام پیغمبر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب کے سب دین توحید کے پابند تھے، صرف ایک خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ صرف اسے ہی حاجات ومشکلات میں پکارا کرتے تھے۔ مرتے وقت اپنی اولاد کو بھی توحید پر پابند رہنے کی وصیت کیا کرتے تھے۔ یہ تمام بزرگ شرک وبت پرستی سے سخت بیزار تھے۔ چونکہ نظریہ توحید کے اعتبار سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ان تمام بزرگوں سے متفق ہیں اور اسی نظریۂ توحید کی دعوت دیتے اور تبلیغ واشاعت کرتے ہیں جو خود تمہارے ان روحانی اور جسمانی آباء واجداد کا تھا۔ لہٰذا جس طرح یہ چیز اس نظریہ کے حق ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ اس توحید کو پیش کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی دلیل ہے۔ رسالت پر مخالفین کے جو شبہات تھے ان کی تقریر ان کے مواقع پر آئے گی۔

تمہید

تمہید میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے اور سب کے مذہبی پیشوا تھے۔ انہوں نے ہی خانۂ کعبہ تعمیر کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سے آباد کیا۔ اس تمہید پر اگلے دلائل کی بنا ہے نیز آگے تحویل قبلہ کا حکم آرہا ہے یہ اس کے لئے بھی تمہید ہے کہ خانۂ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے اس لئے اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے پر اعتراض بے جا ہے۔

٢٣٦ اِذْ کا عامل قال ہے جو آگے آرہا ہے۔ والاختیار ان یکون العامل فیہ ملفوظا بہ وھو قال انی جاعلک (بحر ص۳۷۳ ج۱) ابتلا کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے تو اس سے اس کا مقصد بندوں کے احوال کو جاننا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو پہلے بھی جانتا ہے بلکہ اس سے ان کے احوال کا خود ان کے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے اظہار مقصود ہوتا ہے تاکہ خود ان بندوں پر اپنی حقیقت واضح ہو جائے اور دوسروں کو اس سے سبق حاصل ہو سکے۔ وابتلاء اللہ العباد لیس لیعلم احوالھم بالابتلاء لانہ عالم بھم ولکن لیعلم العباد احوالھم (معالم ص۸۶ ج۱) کلمات کلمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ امور اور احکام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا۔ ان کلمات کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد خصائل فطرت ہیں یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغلوں اور زیر ناف کے بال صاف کرنا وغیرہ بعض نے اسی قسم کے کچھ اور احکام ذکر کئے ہیں لیکن اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر کا ابتلا اور پھر ایسے آسان احکام میں، یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ ان خصائل کو حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ جن کلمات میں ان کا امتحان لیا گیا تھا وہ یہ خصائل ہیں۔ اس لئے

قریبی قیاس یہ ہے کہ اس سے مراد پیارے بیٹے اور پیاری جان کی قربانی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹے کی قربانی دینے کا اشارہ فرمایا تو اس کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ کی توحید کی خاطر انہیں آگ میں ڈالا گیا مگر اس شدت میں بھی انہوں نے صبر کیا اور صرف اللہ کو مدد کے لئے پکارا اور غیر اللہ کی مدد کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ العاشر ھی ما ابتلاہ بہ فی مالہ وولدہ ونفسہ فسلم مالہ للضیفان وولدہ للقربان ونفسہ للنیران وقلبہ للرحمٰن فاتخذہ اللہ خلیلا (بحر صفحہ ۳۷۵ ج ۱) فَاَتَمَّهُنَّ ط وہ امتحان میں پورے اترے اور تمام باتوں کو خدا کی مرضی کے مطابق کر دکھایا۔ ۲۳۷ یہاں امام سے مراد صاحبِ شریعت رسول ہے یعنی وہ رسول جو پہلے کسی نبی کا متبع نہ ہو بلکہ اس کے بعد آنے والے تمام انبیاء اس کا اتباع کریں۔ اس سے مراد شیعوں کا اصطلاحی امام نہیں ہے۔ قال ھل التحقیق والمراد بالامام ھھنا النبی ای صاحب شرع متبع (بحر صفحہ ۳۷۶ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتلاء میں کامیابی پر اعزاز و اکرام کے طور پر آپ کو قیامت تک آنے والی نسلوں کا اصولِ دین اور عقائد توحید میں امام و پیشوا بنا دیا۔ قیامت تک جو رسول اور نبی آئیں گے وہ انہی کی نسل سے ہوں گے اور انہی کی ملت کے متبع ہوں گے۔ والامامۃ

مُصَلًّى ۚ وَعَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ أَنْ

نماز کی جگہ ۲۴۰ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَ

پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور

الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ

رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے ۲۴۱ اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے

اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ

بنا اس کو شہر امن کا ۲۴۲ اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو

مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت

الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ

کے دن پر ۲۴۳ فرمایا اور جو کفر کریں اسکو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں ۲۴۴ پھر

أَضْطَرُّهٗٓ إِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بُری جگہ ہے رہنے کی

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ

اور یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی

وَإِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ إِنَّكَ أَنْتَ

اور اسمٰعیل اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے ۲۴۵ بیشک تو ہی ہے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

سننے والا جاننے والا اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَأَرِنَا

اپنا ۲۴۶ اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ۱۲

علیہ السلام عامۃ مؤبدۃ اذ لم یبعث نبی بعدہ الا کان من ذریتہ مامورا باتباعہ علیہ (ابو السعود صفحہ ۱۴۰ ج ۱) قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ یہ جاعلک کے کاف پر معطوف ہے اور عطف تلقین کے قبیل سے ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام لوگوں کی پیشوائی کا اعزاز ملا تو خواہش ظاہر کی کہ ان کی اولاد سے بھی دین کے پیشوا اور انبیاء پیدا ہوں ۲۳۸ عہد سے مراد وہی عہد امامت ہے جس سے نبوت مراد ہے۔ فالمتبادر من العھد الامامۃ ولیست ھی ھنا الا النبوۃ (روح صفحہ ۳۷۶ ج ۱) اور ظالمین سے مراد نافرمان ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اولاد سے جو نافرمان ہوں گے وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے اور فرمانبردار رہیں سے جنہیں اللہ چاہے گا مرتبۂ نبوت عطا فرمائے گا حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگ دین میں تیری اقتدا کریں گے۔ اور فائدہ اٹھائیں گے عرض کیا میری اولاد سے بھی کوئی فائدہ اٹھائے گا فرمایا جو اطاعت کی اور ضد نہ کی وہ فائدہ اٹھائے گا۔ الحاصل اے یہود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاندوں کو کوئی فائدہ نہیں اور تم معاند ہو اس لئے ومن ذریتی سے مراد ہے ومن ینتفع من ذریتی ـــــ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ای بالنفع لمن عاند۔ مطلب یہ جو ظالم اور مشرک ہوگا اور ضد کریگا وہ نفع نہیں اٹھائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ جو ظالم نہیں ہوگا وہ پیشوا بنے گا۔ ۲۳۹ البیت سے مراد خانۂ کعبہ ہے مثابۃً اسم ظرف ہے اور تا مبالغہ کے لئے ہے یعنی وہ مقام جہاں لوگ بار بار آئیں۔ امن مصدر ہے جس سے مراد موضع امن یعنی امن کی جگہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتلاء میں کامیابی کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے مرجع و مامن بنا دیا ہے کہ دور دور سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں خصوصاً حج کے موقع پر وہاں جمع ہوتے ہیں اور جو لوگ حرم کعبہ کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں وہ اللہ کی پناہ اور اس کے حفظ میں ہوتے ہیں۔ انسان تو انسان ان حدود میں پرندے اور جانوروں کا شکار بھی جائز نہیں۔ وہ بھی وہاں محفوظ و مامون ہیں۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اس گھر کو جہاں دور دور سے لوگ میری عبادت کے لئے آتے ہیں اور خائفین پناہ لیتے ہیں ہر قسم کی شرک کی گندگی سے پاک رکھنا۔ ۲۴۰ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ وھو قول جمھور المسلمین (روح صفحہ ۳۷۹ ج ۱) حج کے موقع پر اس جگہ دو رکعت نفل ادا کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسی حکم کے تحت ہیں۔ اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہیں۔ ۲۴۱ لفظ عہد کا صلہ جب الیٰ ہو تو اس کے معنی وصیت کرنے کے ہوتے ہیں اور اس سے مجازاً امر مراد ہوتا ہے۔ العھد اذا تعدی بالی یکون بمعنی التوصیۃ ویتجوز بہ عن الامر (روح صفحہ ۳۸۰ ج ۱) لہٰذا یہاں عَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ کے معنی ہوں گے۔ امرنا ابراھیم واسمٰعیل یعنی ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا۔ اَنْ مامور بہ کے بیان کے لئے ہے اور تطہیر کعبہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے بتوں اور بت پرستی سے پاک رکھیں اور اس میں خالص اللہ کی عبادت کریں اور اس میں شرک نہ ہونے دیں۔ والمعنی انہ لا ینصب فیہ وثن ولا یعبد فیہ غیر اللہ (بحر صفحہ ۳۸۲ ج ۱) کیونکہ پہلے جب کبھی خانۂ کعبہ آباد تھا اس وقت مشرکین نے اپنے بزرگوں کی مورتیاں بنا کر اس میں رکھی ہوئی تھیں اور ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ذکروا انہ کان عامرا علی عھد نوح وانہ کان فیہ اصنام علی اشکال صالحیھم وانہ طال العھد فعبدت من دون اللہ فامر اللہ بتطھیرہ من تلک الاوثان قالہ جبیر و مجاھد وعطاء ومقاتل (روح صفحہ ۳۸۰ ج ۱، بحر صفحہ ۳۸۲ ج ۱)

بیتی یعنی میرا گھر اس میں اضافت محض کعبہ کا شرف ظاہر کرنے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا تو کوئی رہائشی گھر نہیں ہے یا یہ اضافت ایسی ہی ہے جس طرح مملوک یا مخلوق کی اضافت مالک اور خالق کی طرف ہوتی ہے اضاف البیت الی نفسہ اضافۃ تشریف وتکریم وھی اضافۃ مخلوق الی خالق ومملوک الی مالک (قرطبی ص۱۱۲ ج ۲) للطائفین میں لام تعلیلیہ ہے۔ ای لاجلھم فاللام تعلیلیۃ (روح ص۳۸۳ ج ۱) طائفین سے مراد وہ بیرونی لوگ ہیں جو وہاں جائیں اور عاکفین سے وہاں کے باشندے مراد ہیں اور الرکع السجود سے مراد نمازی ہیں مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا کہ باہر سے آنے والوں، وہاں کے باشندوں اور دیگر تمام عبادت گزاروں کی خاطر میرے گھر کو شرک اور بت پرستی سے پاک رکھو اور وہاں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کا طریقہ جاری کرو تاکہ ہر شخص کو توحید کی دانستگی پیدا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں مشرک لوگ موقع پا کر بیت اللہ میں پھر بزرگوں کی مورتیاں رکھ کر شرک کرنا شروع کردیں اور بیت اللہ میں آنے جانے والے لوگوں میں شرک کے جراثیم پھیل جائیں۔ اس تمہید کے بعد اب

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ

قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا

الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

مہربان اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول ۲۴۳ انہی میں کا کہ

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھا دے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں

وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَن

اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا ۲۴۸ اور کون ہے جو

يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ

پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو ۲۴۹

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ

اور بیشک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں

لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ

نیکوں میں ہیں یاد کرو جب اسکو کہا اس کے رب نے کہ حکمبرداری کرو ۲۵۰ تو بولا

أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ

کہ میں حکمبردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم

بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ

اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی ۲۵۱ کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو

الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمْ

دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان کیا

كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ

تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت ۲۵۲ جب کہا

ع ۱۵ / ۸ / ۱۵

۲۴۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو دعائیں ۱۲

۲۴۸ تمام پیغمبر اسلام لانے کی ترغیب اور ہر پیغمبر وقت ملت ابراہیمی کا متبع ہے ۱۲

اہل مکہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر ہے آپ نے ان کے لئے دو دعائیں کی تھیں ایک مادی اور دنیوی زندگی کیلئے اور دوسری روحانی اور اخروی زندگی کے لئے۔ ۲۴۲ یہاں بھی اذ کا فاعل محذوف ہے یعنی اذکر هذا۔ بَلَدًا سے مکہ مکرمہ مراد ہے۔ اٰمِنًا فاعل نسبت کے لئے ہے جیسا کہ تامر ولابن ای ذا امن۔ یہ پہلی دعاء کا پہلا حصہ ہے اس میں مکہ شہر کو امن وسکون کا گہوارہ بنانے کی دعاء ہے کہ اس شہر اور اس کے مضافات کو ڈاکوؤں، چوروں اور غارت گروں سے محفوظ رکھنا تاکہ وہاں کے باشندے امن وچین سے تیری خالص عبادت کرسکیں اور تیری توحید پھیلا سکیں ۲۴۳ یہ پہلی دعاء کا دوسرا حصہ ہے مکہ اور اس کے مضافات پہاڑوں اور ریگستانوں سے گھرے ہوئے ہیں جہاں کھیتی باڑی کا کوئی امکان نہیں اس لئے ان کے معاشی اطمینان کے لئے بھی دعاء کی کہ انہیں پھلوں سے روزی مہیا کی جائے مَنْ اٰمَنَ، اَهْلَهٗ سے بدل البعض ہے یعنی اہل مکہ میں سے جو مومن ہوں ان کو روزی عطا کرنا پہلے لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۔ کا فیصلہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شاید اس روحانی نعمت کی طرح یہ دنیوی نعمت بھی اللہ کے فرمانبرداروں کے ساتھ مخصوص ہوگی اس لئے آپ نے دعاء میں مومنین کی تخصیص کردی لیکن اس شبہ کا اگلی آیت میں ازالہ کردیا گیا ہے ایمان کے تمام اجزاء کا ذکر کرنے کی بجائے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت یعنی مبدأ و معاد پر اس لئے اکتفا کیا ہے کہ ان دونوں پر ایمان لانا باقی پر ایمان لانے کو مستلزم ہے اور باقی تمام اجزائے ایمان اس کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ واقتصر فی متعلق الایمان بذکر المبدا و المعاد لتضمن الایمان بھما بجمیع ما یجب الایمان به (روح ص۳۸۳ ج ۱، بحر ص۳۸۳ ج ۱) ۲۴۴ وَمَنْ كَفَرَ کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای ارزق من اٰمن ومن کفر (روح ص۳۸۳ ج ۱) یعنی جو ایمان لائے گا اس کو بھی روزی دوں گا اور جو کفر کریگا اس کو بھی۔ فَاُمَتِّعُهٗ - مَنْ كَفَرَ پر معطوف ہے اور قَلِيْلًا ــــ زَمَانًا محذوف کی صفت ہے اور اس سے مراد اس کی پوری زندگی کا زمانہ ہے وہ چونکہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے اس لئے اسے قلیل فرمایا۔ یعنی جو شخص کفر کریگا اسے بھی دنیا کی چند روزہ زندگی میں دنیوی رزق سے فائدہ اٹھانے کا موقع دوں گا۔ فنبہ سبحانہ وتعالیٰ علی ان الرزق رحمۃ دنیویۃ تعم المؤمن والکافر بخلاف الامامۃ والتقدم فی الدین (بیضاوی ص۲۳) ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ لیکن آخرت میں کافر کو جہنم میں دھکیل دیا جائیگا جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اب آگے اپنے لئے دعا مانگتے ہیں ۲۴۵ وَاِذْ يَرْفَعُ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ پر معطوف ہے اور اذ کا عامل يَقُوْلَانِ ہے جو رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا سے پہلے محذوف ہے (روح ص۳۸۴ ج ۱) ویجوز ان یکون القول المحذوف ھو العامل فی اذ (بحر ص۳۸۹ ج ۱) قواعد قاعدۃ کی جمع ہے جس کے معنی بنیاد کے ہیں۔ اسمٰعیل کا عطف ابراہیم پر ہے یعنی جب دونوں باپ بیٹا بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو اس وقت دعاء مانگ رہے تھے کہ اے اللہ محض اپنے فضل ورحمت سے ہمارے اعمال قبول فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ میں انت ضمیر فصل اور خبر کا معرفہ ہونا حصر پر دلالت کرتا ہے اور جملہ کا اسمیہ اور ان سے مؤکد ہونا دونوں بزرگوں کی قوت یقین اور پختگی ایمان کو ظاہر کرتا ہے یعنی بیشک یقیناً صرف تو ہی ہماری دعاء کو قبول کرنے والا اور ہماری نیتوں کو جاننے والا ہے۔ ۲۴۶ مُسْلِمَيْنِ لَكَ ـــ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ سے ماخوذ ہے۔ ای مخلصین موحدین لك

(روح ص۳۸۵ ج ۱) ای موحدین مخلصین لا نعبد الا ایاک (کبیر ص۳۰ ج ۱) یعنی ہمیں مزید اخلاص نصیب فرما اور اپنی توحید اور خالص عبادت پر ثبات ودوام عنایت کر کہ ہمیشہ دل وجان اور زبان سے ہر نفع اور نقصان میں تجھے ہی پکاریں اور مالی، بدنی اور زبانی عبادتیں تیری ہی بجا لائیں یعنی ہمیں صفتِ اخلاص، اپنی توحید، اور خالص عبادت پر قائم رکھ۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا کا عطف اجْعَلْنَا کی ضمیر مفعول پر ہے مطلب یہ کہ ہماری اولاد میں بھی ہمیشہ ایک ایسی جماعت برقرار رہے جو توحید کی پابند ہو، صرف تیری ہی عبادت کرے اور صرف تجھے ہی پکارے، توحید کی اشاعت کرے اور شرک سے روکے وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔ یہاں ارائت بمعنی تعلیم ہے اور مناسک سے مراد احکام شریعت اور امور حج ہیں۔ علمنا وعرفنا.... شرائع دیننا واعلام حجنا (معالم ص۹۴ ج ۱) یعنی ہمیں احکام شریعت اور امور حج تعلیم فرما وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ یہاں توبہ سے مراد وہ عوام کی توبہ نہیں جو گناہوں سے ہوتی ہے بلکہ یہ توبہ خواص الخواص کی ہے جس کا مقصد درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لئے دعا والتجا ہوتا ہے۔ وتوبة خواص الخواص لرفع الدرجات والترقی فی المقامات (روح ص۳۸۵ ج ۱) اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ کیونکہ توبہ قبول کرنے والا اور اپنی رحمت کے سایہ میں لینے والا تو ہی تو ہے۔ اب آگے دوسری یعنی روحانی دعا کا ذکر ہے۔ ۲۴۷ هُمْ ضمیر کا مرجع اُمَّةً مُّسْلِمَةً ہے رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یہاں بھی ہُم کا مرجع اُمَّةً مُّسْلِمَةً ہے اور اُمَّةً مُّسْلِمَةً کے ساتھ ذُرِّيَّتِنَا کی قید گذر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں کی اولاد میں جو امتِ مسلمہ ہو ان میں سے ایک رسول برپا کرنا یہ دعا صرف اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ان صفات کا حامل رسول مبعوث ہو لہٰذا حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہونے والے انبیاء کے ذریعے یہ دعا پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ ذُرِّيَّتِنَا میں نَا سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اسلئے کہ بنائے کعبہ کے وقت یہی دونوں وہاں موجود تھے۔ مِنْهُمْ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ امتِ مسلمہ چونکہ انسان ہیں، خاکی ہیں، بشر اور بنی آدم ہیں لہٰذا ان میں سے جو رسول پیدا ہو گا وہ بھی انسان اور بشر ہی ہو گا نہ کہ کسی اور جنس اور نوع کا ہو گا۔ آگے اس رسول کی چند صفات بیان کی ہیں۔

پہلی صفت:۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وہ انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کے الفاظ بلا کم وکاست ان تک پہنچائے۔ **دوسری اور تیسری صفت:۔** وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ان کو کتاب و حکمت سکھائے۔ کتاب سکھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے الفاظ انہیں سمجھائے، ادائے الفاظ کی کیفیت بتائے، اس کی آیات کے مطالب و معانی اور حقائق و اسرار سے آگاہ کرے۔ بان یفہمہم الفاظہ ویبین لہم کیفیة اداءہ ویوقفہم علی حقائقہ واسرارہ (روح ص۳۸۶ ج ۱) اور حکمت سے مراد سنت اور احکام شریعت کی تشریح وتبیین ہے۔ وقال قتادة الحكمة السنة وبيان النبي للشرائع (قرطبی ص۱۳۱ ج ۲، بحر ص۳۹۳ ج ۱) یعنی اللہ کی کتاب کے احکام کی خدا کا پیغمبر جو زبانی تشریح وتفسیر کرے گا یا ان احکام کی کیفیتِ تعمیل بتائے گا حکمت سے یہ سب کچھ مراد ہے اور اسے ہی اصطلاح شریعت میں سنت کہا جاتا ہے اس کی مزید تشریح رکوع ۱۸ میں آئے گی۔ وَيُزَكِّيْهِمْ ط یہ پیغمبر کی چوتھی صفت ہے یعنی وہ پیغمبر انہیں کفر وشرک کی نجاستوں، بدعملی کی آلائشوں اور بداخلاقی کی آلودگیوں سے پاک وصاف کرے۔ ۲۴۸ یقیناً تو ہی سب پر غالب اور ہر حکمت کو جاننے والا ہے تجھے کسی دعا کے رد وقبول پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور ہر دعا کا رد وقبول بھی تیری حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ظہور حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہوا۔ اس دعاء کو یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے سامنے حضور علیہ السلام کی صداقت پر بطور دلیل پیش کیا کہ یہی وہ پیغمبر ہے جس کے ظہور کے لئے تمہارے روحانی اور جسمانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ لہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کی لائی ہوئی دعوتِ توحید کو مانو کیونکہ یہ دعوت بھی وہی ہے جو خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے سامنے پیش کی اور مرتے وقت اس پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ ۲۴۹ رغب کا صلہ جب عَنْ آتا ہے تو اس کے معنی اعراض کرنے کے ہیں۔ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط کے معنی ہیں جعلها مهانة ذليلة (روح ص۳۸۵ ج ۱) یعنی جس نے اپنے آپ کو شرک وبدعت کی وجہ سے ذلیل وخوار کر رکھا ہو۔ اور یا اس کے معنی ہیں خسر نفسه (بحر ص۳۹۴ ج ۱، معالم ص۹۶ ج ۱) یعنی جس نے اپنے آپ کو شرک کی وجہ سے خسارے میں ڈال رکھا ہو یا اس کے معنی حمق رأیه کے ہیں (ایضاً) یعنی جس کی رائے احمقانہ ہو اور وہ بے وقوف ہو مطلب یہ ہے کہ ملتِ ابراہیمی تو سراسر اخلاص و توحید سے لبریز ہے اور اس کے تمام احکام عقل وفطرت کے مطابق ہیں اس لئے ایسی ملت سے صرف وہی اعراض کر سکتا ہے جو شرک میں ڈوبا ہوا ہو یا جس کی عقل میں فتور ہو۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ اسی ملتِ وحدت اور دینِ توحید کی پیروی کی بنا پر تو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں سب کی پیشوائی کے لئے منتخب کیا تھا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ صالح فی الآخرت کے معنی ہیں کامیاب اور فائز المرام۔ الصالح فی الآخرة هو الفائز (قرطبی ص۱۳۳ ج ۲) ملتِ ابراہیمی ایک ایسی چیز ہے جس کے اتباع کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کمالات دنیویہ اور مقاصد اخرویہ حاصل ہوئے لہٰذا ایسی ملت سے اعراض کرنے والا شخص یقیناً سرپھرا اور احمق ہے۔ امام قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے ملتِ ابراہیمی کو چھوڑ کر یہودیت ونصرانیت اختیار کی۔ (قرطبی ص۱۳۳ ج ۲) اور اپنے بزرگوں کو خدا کا شریک ونائب ٹھہرایا اور انہیں حاجات میں غائبانہ پکارنے لگے۔ نیز ان مشرکوں کا رد ہے جنہوں نے ابراہیمی ہونے کے دعوے کے ساتھ ساتھ اللہ کی توحید سے بغاوت کی اور اس کے ساتھ شرک کیا (ابن کثیر ص۱۸۵ ج ۱) اب آگے ملتِ ابراہیمی کی امتیازی خصوصیت اور اس کے خصوصی وصف یعنی توحید کا بیان ہے۔ ۲۵۰ اِذْ کا عامل اصْطَفَيْنٰهُ ہے اَسْلِمْ اسلامٌ مصدر سے ہے جس کے معنی تفویض اور حوالے کرنے کے ہیں جیسے اسلم وجهه یہاں بھی اس لفظ کا معنی یہی ہے یعنی اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دے اور بالکل اسی کا ہو جا۔ اسی سے امیدیں وابستہ رکھ، اسی سے مانگ، اسی کو پکار اور اسی پر بھروسہ رکھ۔ معناہ اسلم نفسک الی اللہ تعالیٰ وفوض امرک الیه (خازن ص۹۶ ج ۱) بعض نے اس کے معنی اخلاص کے لئے ہیں یعنی خالص اللہ کی عبادت کر اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کر اور اپنی عبادت کو شرک سے بچا کر رکھ۔ اخلص دینک وعبادتک للہ واجعلها سلیمة (خازن ص۹۶ ج ۱) قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلا تأمل اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً اکمل طاعت وانقیاد اور کامل فرمانبرداری کا اقرار کیا کہ میں نے اپنے آپ کو رب العلمین کے سپرد کیا اور اس کی پوری پوری اطاعت وفرمانبرداری قبول کی اور ہمیشہ اسکی توحید اور خالص عبادت پر کاربند رہنے کا اعتراف کیا۔ ۲۵۱ بِهَآ کی ضمیر کا مرجع ملت ہے اور یعقوب کا عطف ابراہیم پر ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سب کے جدِ اعلیٰ ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ ہیں ان دونوں حضرات نے بوقتِ وفات اپنی اپنی اولاد کو ملتِ توحید پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ۔ نیز انہوں نے اپنی اپنی اولاد کو یہ بھی بتایا کہ اللہ نے تمہارے واسطے دینِ اسلام کو منتخب اور پسند فرمایا ہے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ لہٰذا تم مرتے دم تک اسی دینِ اسلام اور ملتِ توحید پر قائم رہنا اور اللہ کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنانا۔ لہٰذا اے یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب اپنے اسلافِ کرام اور آباء واجداد کا حال سن لو کہ وہ توحید کے کس قدر پابند اور شرک سے کس قدر متنفر تھے کہ موت کے وقت بھی توحید کو نہ بھولے اور اپنی اولادوں کو مرتے دم تک توحید پر قائم رہنے کی وصیت کر کے دنیا سے رخصت ہوئے۔ تمہارا ابھی دعویٰ ہے کہ تم ان بزرگوں کو مانتے ہو مگر تم نے اس توحید کو چھوڑ دیا جس کے وہ قائل تھے اور خود انہیں بزرگوں کو خدا کے نائب اور شریک بنا کر پوجنے اور پکارنے لگے لہٰذا اس شرک کو چھوڑ دو اور میرے پیغمبر کے پیش کردہ دعوٰی توحید کو مانو کیونکہ یہی توحید تمہارے باپ دادوں کی وراثت ہے۔ ۲۵۲ یہودیوں نے حضور علیہ الصلوٰة والسلام سے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو اپنی اولاد کو یہودیت پر رہنے کی وصیت فرمائی تھی اس لئے ہم ان کی وصیت کو چھوڑ کر دینِ اسلام کو کس طرح قبول کریں؟ قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الست تعلم ان یعقوب لما مات اوصی بنیه بالیهودیة (روح ص۳۹۰ ج ۱، جامع ص۲۰۲) تو ان یہودیوں کے کذب وافتراء کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی یہاں اَمْ منقطعہ ہے بمعنی بَلْ اضرابیہ واستفہام انکاری مطلب یہ کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ حضرت

یعقوب علیہ السلام نے یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی کیونکہ تم اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے جب ان کی وفات کا وقت قریب تھا اور وہ اپنی اولاد کو وصیت کر رہے تھے ای ما کنتم حاضرین حین احتضار
الموت علیہ الصلوٰۃ والسلام وسؤاله بنیه عن الدین فلم تدعون ما تدعون (روح ص۳۹۱ ج ۱) اور ہو سکتا ہے کہ اَمْ متصلہ ہو اور استفہام تقریری ہو اور مطلب یہ ہو کہ تمہارے اسلاف تو حضرت یعقوب علیہ السلام
کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ اپنی اولاد کو اسلام اور توحید پر قائم رہنے کی وصیت کر رہے تھے اور انہیں بخوبی معلوم تھا اور ان کی وساطت سے تم بھی جانتے ہو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی
کوئی وصیت نہیں کی تھی پھر کیوں جان بوجھ کر ان پر الزام لگاتے ہو۔ ؟ وذلك ان تجعل الاستفهام للتقرير ای كانت اوائلكم حاضرين حين وصى بنيه عليه الصلوٰة والسلام بالاسلام والتوحيد
وانتم عالمون بذلك فما لكم تدعون عليه خلاف ما تعلمون (روح ص۳۹۱ ج ۱) اِذْ حَضَرَ میں اِذْ — شُهَدَاءَ سے متعلق ہے۔ **۲۵۳** اِذْ قَالَ ۔ اِذْ حَضَرَ سے بدل ہے۔ والعامل

لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ
اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد **۲۵۴** بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی
وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا
اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق ہیں وہی ایک معبود
وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ
ہے **۲۵۵** اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں وہ ایک جماعت تھی جو
خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا
گذر چکی **۲۵۶** ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم
تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا
سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی
أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَ
یا نصرانی تو تم پا لو گے راہ راست **۲۵۷** کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا **۲۵۸** اور
مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا
نہ تھا شرک کرنے والوں میں تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر **۲۵۹** اور جو
أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق
وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا
اور یعقوب **۲۵۹** اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو **۲۶۰** اور جو
أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ
اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے

فی اذ الاولیٰ معنی الشهادة واذ الثانية بدل من الاولیٰ۔ (قرطبی ص۱۳۷ ج ۲) یعنی کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ نے بوقت وفات اپنی اولاد سے امتحاناً پوچھ رہے تھے کہ تم میری موت کے بعد کس کی پوجا کرو گے۔ **۲۵۴** اِلٰهًا وَّاحِدًا ۔ اِلٰهَكَ سے بدل ہے جو تاکید اور احتمال التعدد کو قطع کرنے کے لئے لایا گیا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے سعادت مند فرزندوں نے بیک زبان جواب دیا کہ ہم تو اسی خدائے واحد کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور جو آپ کے آبائے کرام حضرت ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاق علیہم السلام کا معبود ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ اور ہم مرتے دم تک اسی کے مطیع فرمان اور منقاد رہیں گے اور اسی کی خالص عبادت کریں گے اور اس کی عبادت اور پکار میں، اس کی نذر و منت میں کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔ یہود لو اب بتاؤ تم تو کہتے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ انہوں نے مرتے وقت اپنی اولاد سے اسلام اور توحید پر قائم رہنے کا عہد و اقرار لیا تھا۔ **۲۵۵** تِلْكَ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو اپنے بزرگوں پر ناز تھا اور وہ اپنی صاحبزادگی کے غرور میں مسرور تھے اور کہتے تھے کہ اچھا اگر ہم بدکار ہیں تو کیا ہوا ہمارے آباء و اجداد تو نیک اور توحید پرست تھے جب وہ جنت میں جائیں گے تو ہم بھی ان کے طفیل بخش دیئے جائیں گے اور ہمیں بھی جنت میں جگہ مل جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا غرور شکن جواب دیا کہ وہ جماعت تو گذر چکی اور ان کے کمالات بھی ان کے ساتھ ہی گئے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ان کا کیا ان کے آگے آئے گا اور تمہارا کیا تمہارے آگے۔ لہٰذا دل سے یہ بات نکال ڈالو کہ ان کے نیک اعمال کی بدولت تم بھی جنت میں چلے جاؤ گے۔ محض اس انتساب سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ ان جیسے عمال کرو گے تو اس سے یقیناً نفع پاؤ گے۔ بعینہٖ یہی حال آج کل کے بعض گدی نشینوں کا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے سامنے فخر کرتے ہیں اور نازسے کہتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد بہت نیک اور اللہ کے پیارے تھے۔ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اور تم سے ان کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ تم سے تمہارے اپنے اعمال کی پرسش ہوگی۔ توحید و رسالت

ایک شبہ کا جواب کہ ہمارے باپ دادا پیغمبر تھے اس لئے ہم بھی بخشے جائیں گے ۔ شکوہ ۔ جواب شکوہ

یعنی ایمان تو تمہارا معتبر نہیں ... لیکن ... منقول ...

کو دلائل سے مدلل اور واضح کرنے کے بعد یہود و نصاریٰ کے بعض غلط نظریات کی تردید کی ہے۔ **۲۵۶ شکوہ** ۔ باوجود اس کے کہ یہود و نصاریٰ کے آباء و اجداد جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے وہ سب کے سب دینِ اسلام اور ملتِ توحید کے پابند تھے لیکن یہ خود بھی شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اور لوگوں کو بھی شرک کی دعوت دیتے ہیں اور خود بھی مشرکانہ عقائد کو عین ہدایت تصور کرتے ہیں چنانچہ یہودی کہتے تھے کہ تم یہودی بن جاؤ اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا نائب اور متصرف سمجھو اور نصاریٰ کہتے تھے کہ تم عیسائی ہو جاؤ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا نائب اور نجات دہندہ سمجھو تو تمہیں راہ ہدایت مل جائے گی۔ **۲۵۷ جواب شکوہ** ۔ مِلَّةَ منصوب ہے اور اس کا عامل نتبع محذوف ہے اور خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی آپ انہیں جواب دیں کہ ہم یہودیت اور نصرانیت قبول نہیں کریں گے بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی کی پابندی کریں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینِ توحید کی پیروی کریں گے جو باطل اور مشرکانہ ادیان سے کنارہ کش اور دور تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ یہ مدعی یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب تو مشرک و بت پرست ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام شرک سے دور تھے لہٰذا ہم تو انہی کی پیروی کریں گے۔ یہاں جھوٹے مدعیان ابراہیمیت کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جنہوں نے توحید کو چھوڑ کر شرک کو دین بنا رکھا ہوا تھا اور بزرگوں کو خدا کا نائب اور متصرف سمجھ کر انہیں پکارتے تھے۔ والمقصود التعريض باهل الكتاب

والعرب الذين يدعون اتباعه ...... فان فی کل طائفة منهم شرکا فالیهود قالوا عزیر ابن الله والنصاری المسیح ابن الله والعرب عبدوا الاصنام وقالوا الملئکة بنات الله (روح ص۳۹۶ ج ۱)
یہ اہل کتاب کے غلط نظریے کا الزامی جواب تھا یعنی انہوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی ہوجاؤ تو جواب دیا گیا کہ ہم تو ابراہیمی ہونگے یہودی یا نصرانی نہیں ہونگے۔ اب آگے اس کا تحقیقی جواب دیا گیا ہے کہ آبائی نسبت یا قبائلی عصبیت پر ایمان کا مدار نہیں بلکہ ایمان تو اللہ کی توحید، اس کے رسولوں کی رسالت اور اس کے دیگر احکام ماننے کا نام ہے۔ ۲۵۸ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے کہ تم انہیں جواب دو کہ ہم یہودیت یا نصرانیت کو نہیں جانتے۔ ہم تو خدائے واحد کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور اپنے آخری رسول کی وساطت سے جو کچھ اس نے ہم پر اتارا ہے، ہم اسے بھی مانتے ہیں۔ ۲۵۹ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں مختلف خاندانوں کو قبائل کہا جاتا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کے خاندان اسباط کہلاتے تھے۔ والسبط فی بنی اسرائیل بمنزلة القبیلة فی ولد اسمٰعیل (قرطبی ص۱۴۱ ج ۲) یعنی ہم ان تمام صحائف کو بھی مانتے ہیں جو حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام پر نازل ہوئے نیز ان صحائف کو جو بنی اسرائیل میں ہونے والے باقی تمام انبیاء کرام پر اترے۔ ۲۶۰ اور ہم تورات و انجیل کو بھی مانتے ہیں۔ تورات و انجیل کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں سرچشمۂ ہدایت اور واجب العمل تھیں۔ اب ان پر عمل واجب نہیں۔ یہود و نصاریٰ کی وجہ سے اسباط کے بعد حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ان کے علاوہ باقی تمام نبیوں پر جو کچھ اترا ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم تمام انبیاء علیہم السلام کو برحق مانتے ہیں اور ان میں کسی نسلی یا قبائلی بنیاد پر تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں جیسے یہود و نصاریٰ نے کیا ہے۔ ای کما فرق اهل الکتاب فاٰمنوا ببعض وکفروا ببعض بل نؤمن بهم جمیعا (روح ص۳۹ ج ۱) وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔۔۔ لَهٗ کی تقدیم کی وجہ سے اس میں حصر پیدا ہوگیا یعنی ہم ایمان تو ان تمام انبیاء پر لاتے ہیں اور جو کچھ ان پر اترا اسے بھی مانتے ہیں لیکن انقیاد و عبودیت کو صرف اللہ کے ساتھ ہی مخصوص کرتے ہیں اور اپنی تمام ضروریات و حاجات کو اسی کے سپرد کرتے ہیں اور اسی کو مختار و متصرف سمجھتے ہوئے خاص اس کی عبادت کرتے اور اسے ہی پکارتے ہیں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ ۲۶۱ یہود و نصاریٰ مدعی تھے کہ ہدایت کا مدار یہودیت اور نصرانیت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا اصل معیار بیان فرمایا کہ اصل ہدایت تو انبیاء کرام اور ان کی تعلیمات کی پیروی کا نام ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اگر ایسا ہی ایمان لے آئیں جیسا کہ تمہارا ایمان ہے یعنی تمام انبیاء پر ایمان تو پھر یقیناً وہ بھی ہدایت یافتہ ہوجائیں گے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ اور اگر وہ تم جیسا ایمان لانے سے پہلو تہی کریں اور اس سے انکار کریں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ بغض و حسد اور ضد و عناد میں گرفتار ہیں طلب ہدایت یا احقاق حق ان کا مقصد نہیں ہے۔ ای فما هم الا فی خلاف وعداوة ولیسوا من طلب الحق فی شیء (مدارک ص۶۰ ج ۱)

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ
ہدایت پائی انہوں نے بھی ۲۶۱ اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں
شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾
ضد پر سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا
صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ
ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا ۲۶۲ ف۱ اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے ۲۶۳ اور
نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ
ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں ف۱ کہدے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت ۲۶۴ حالانکہ وہی
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ
ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور
نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ
ہم تو خالص اسی کے ہیں کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور
اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا
اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے
اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ
یا نصرانی ۲۶۵ کہدے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے
كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہوچکی اس کو اللہ کی طرف سے ۲۶۶ اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
کاموں سے ۲۶۷ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ع
اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی ۲۶۸ ف۲

ع ۱۶/۱۶

(حاشیہ: یہ جواب بھی مقصود کا ہے یعنی ایمان تو سب انبیاء پر ہے لیکن پکار کے لائق صرف اللہ ہی ہے — ۲۶۲ زجر برائے اہل کتاب، ۲۶۳ جواب بھی مقصود ہے، ۲۶۴ شکوہ — ۲۶۵ جواب شکوہ، زجر برائے اہل کتاب، جواب شکوہ — ۲۶۸ اعادہ جواب شبہ برائے تاکید)

لیس غرضهم طلب الدین والانقیاد للحق وانما غرضهم المنازعة واظهار العداوة (کبیر ص۷۵ ج ۱) فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۔ یہ دشمنانِ توحید کی مخالفت اور عداوت کے مقابلہ میں حضور علیہ السلام کے لئے تسلی اور مدد کا وعدہ ہے کہ آپ ان کی شدید مخالفت اور کثرتِ عدد کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ وہ سب کچھ جاننے والا ہے ۔ وہ ان کے کفر و انکار اور ضد و عناد

موضح القرآن ف۱ نصاریٰ کے پاس دستور تھا کہ جس کو اپنے دین میں داخل کرتے ایک زرد رنگ بناتے اور اس کے کپڑے بھی رنگ دیتے اور اس پر ڈال بھی دیتے۔ یہ ان کے مقابل فرمایا

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی دین او را ۱۲ ف۲ مترجم گوید چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمدینہ ہجرت فرمود شانزدہ ماہ یا ہفدہ ماہ بطرف بیت المقدس نماز می گذارد و آرزو میکرد کہ خدا تعالیٰ کعبہ را قبلہ وی سازد خدائے تعالیٰ نازل کرد۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ اِلی آخرہ بعد ازاں جواب شبہ سفہا در یں مسئلہ نازل کرد سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ بعد ازاں امر فرمود بصبر بر مشاق جہاد در لبیاری از احکام توحید و قصاص حج و صوم و صدقہ و نکاح و طلاق کہ اہل جاہلیت تحریف کردہ بودند یا رعایت انصاف نمیکردند بیان حقیقت حال فرمود و در ابطال شبہات مخالفین کرد و سوالہائے ایشاں را جواب داد و ایں سیاق ممتد است تا آخر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا